

از دفتر امامیہ مشن - حسین آباد - لکھنؤ

منظرہ وکلام

۲۷۵

حکیم
دوسرا دین

مطبوعہ سر راز قومی پریس کورپوریشن لکھنؤ

قیمت فی جلد چار روپے

دوسرا ایڈیشن

پیرائے

مصنفہ

عالیجناب السید العلماء مولانا مولوی عسکری نقوی صاحب قسبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ شن لکھنؤ کی پہلی دینی خدمت

کا دوسرا دور

بدور و گار عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بحق محمد آل محمد صلوات اللہ علیہم جمعین ہماری اس دینی خدمت کو قبول فرمایا اور اس رسالہ کی ایک ہزار جلدیں پہلی مرتبہ شائع کی گئی تھیں ایک ماہ کے اندر ختم ہو گئیں اور اب ہم بھرا ہوا دوسرا ایڈیشن قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اب کی مرتبہ جناب مصنف علامہ مظلہ العالی نے چند مطالب کا اضافہ نیز بعض غلط فہمیوں کا فرید ازالہ فرمادیا ہے۔ ہم کو قوی امید ہے کہ ہمدردانِ قوم اس ایڈیشن کو بھی زائد سے زائد تعداد میں خرید فرما کر غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم فرمادینگے اور عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کا سبب بنیں گے۔ اس مرتبہ ہم پھر عامۃ اہل اسلام کو توجہ دلاتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر کامل سکون و اطمینان کے ساتھ غور کر کے صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش فرما دینگے۔

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری۔ امامیہ شن حسین آباد لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۹۶۲

۸۱۲۷

وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالصَّلَاةُ عَلَى نَبِيِّهِ وَآلِهِ

تمہید :- کہنے کو قاتلان حسین مسلمان تھے اور اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اٹھکی نظریں ایک خود ساختہ گھروندا اور دین و ایمان زاہد فسویہ بیکار کا ڈھکوسلا تھا، وہ دنیاوی جاہ و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کے آگے کسی دوسرے عالم اور اُس عالم کی جزا و سزا کا باور نہ کرنا اور کٹنا سس کا خیال بھی دین میں نہ لاتے تھے۔ لہذا مذہبی اُن کا حقیقی مذہب اور بے دینی اُن کا دین و آئین تھی جسکے مظاہرات بھی حسب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور انہی مظاہرات کو تاریخ نے امتدازی کے ساتھ ہم تک پہنچا کر ہم کو اُنکے باطنی نیتوں پر حکم لگانیکا موقع دیدیا۔ قتل حسین کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و اکاد اور مذہبی میراث میں پائی تھی اور اس کا آخر تھا جو جاہلیت و اسلام میں برابر ظاہر ہوتا رہا۔

ابوسفیان جسکے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی و وسطی دور میں سخت مصائب اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور بدر و احد و احزاب صرف اُمی کی عداوت

اسلام کے کرشمے تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلام کے قدرتی جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر سر تسلیم خم کر چکا تھا لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ابھر کر اس کے دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اس کو چھپائے رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا یہاں تک کہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا اس وقت ابرسیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا -

”ایہ نبی الاصف یعنی شاہنشاہ ملک روم کے بہادر و ارجب مسلمانوں کو ذرا تقویت ہوتی تھی تو ابرسیان کی زبان سے حسرت و اس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا۔
 وبنو الاصف الملوک ملوک التوم لم یبق منهم مذکور
 ہائے افسوس کہ سلطنت روم کے پر شوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے
 عبدالعزیز دیر نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے باپ زبیر سے بیان کیا اس وقت کہ جب مسلمانوں کو کابل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ یا بنی الانفاق اولسا خیر الدین نبی الاصف خدا اس سے سمجھے یہ نفاق سے باز نہ آئیگا کیا ہم اس کے لئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں اور یکھو استیعاب

ابن عبدالبر

ارجب مسلمانوں کی خلافت تیسرے درمیان نبی اُمیہ تک پہنچی اور حضرت عثمان

خلیفہ بنائے گئے اسوقت ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی دور میں تھا اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سنکر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ عرصہ کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہو۔ اس کو تم گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور نبی امیہ کے ذریعہ سے اسکی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لئے کہ جو کچھ ہر وہی دنیاوی سلطنت اٹھایا جنت و دوزخ اس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں۔ یہ واقعہ بھی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب میں جو مصر کے بعد خاص طور پر حیدر آباد میں طبع کی گئی، موجود ہے۔ ان دونوں تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھلتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر و الحاد کے کیسے جراثیم پرورش پارہے تھے۔

اسی ابوسفیان کے خلیفہ و جانشین حضرت معاویہ تھے جن کے متعلق زبان کھولنے کے لئے بہت بڑی جرأت کی ضرورت ہو اس لئے کہ عام مسلمانوں نے انھیں بڑھا چڑھا کر بڑے مرتبوں پر پہنچا دیا ہو لیکن مورخین اہل سنت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں لیا ہے بلکہ حقائق کو اصلی صورت میں پیش کر دیا ہو اگرچہ وہ خود انہی میں سے کسی کے مسلہ عقیدہ کو لمبا میٹ کر دین معاویہ کی نظر میں مذہب کی وقعت جتنی تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہو کہ حقائق مجاشعی اور جاریہ بن قدامہ اور حنف یہ تینوں شخص امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے، معاویہ نے جاریہ حنف کو حقائق زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حقائق نے اگر شکایت کی کہ آپ نے فلان و شخصوں کو

میرے ادب و تزیین دی اور انکا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا، معاویہ نے جواب دیا کہ
 اُن سے میں نے اُن کا دین و مذہب بدل لے لیا ہے، خوات نے کہا پھر مجھ سے
 بھی میرا دین خرید لیجئے (ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد
 جلد اول صفحہ ۵۵۱ و اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۱ ص ۳۷۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزری نے کامل التواریخ میں لکھا ہے کہ منیرہ
 بن شعبہ نے بھرن سے دس آدمیوں کو ۳۰ ہزار درہم رشتہ کے ساتھ یزید کی ویدھی
 پر راضی کر کے اپنے بیٹے موسیٰ بن منیرہ کی معیت میں معاویہ کے پاس بھیجا اور اُن
 لوگوں نے معاویہ کے سامنے یزید کی جانشینی پر اظہارِ مسرت کیا، اس وقت معاویہ
 نے آہستہ سے موسیٰ بن منیرہ سے پوچھا کہ سچ بتانا کتنے کو تیرے باپ نے ان لوگوں سے
 انکے دین و ایمان کو خریدا ہے، موسیٰ نے کہا کہ تیس ہزار درہم کو۔

ان دونوں واقعوں سے صاف ظاہر ہے کہ دین و مذہب کی ان نظروں میں
 کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرفیوں یا صرف ظاہری آؤ بھگت پر لوگوں سے لٹکے
 دین و ایمان کو خرید کر لانا نہایت کو رواج دیا جا رہا تھا،

اسلام کا مشہور و معروف مسلم القوت مورخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی
 تاریخ میں ۶۷ھ کے واقعات لکھتے ہوئے رقمطراز ہے کہ عمر عاص اہل مصر کی ایک
 جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دارا خلافہ شام باریابی کے لئے آیا۔

(یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو عاص معاویہ سے کسی حد تک برسرِ پُخاش تھا، اس نے

ان لوگوں کو سکھلا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اسے خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اسکی وجہ سوتھاری ہیبت اُسکے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی ذہانت سے عمر عاص کی سازش کو ٹاڑ گئے اور دربانوں سے کہا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ نابزہ کے لڑکے (عمر عاص) نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہو گا لہذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ اُسکی جان کی خیر نہیں رہے گا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجالایا کہ السلام علیک یا رسول اللہ بس پھر کیا تھا سب نے اُسی کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا (تاریخ طبری

ج ۶ ص ۱۱۱ مصر

ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہ سکتی اسلامی دربار میں خلیفہ وقت کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا جائے اور ان لوگوں کو نرا تودرکنا معمولی سی تہیہ بھی نہ کیجائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دو، دُشَق کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک شخص کا بھی اس واقعہ پر چین چین ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

اسوقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فضا ہو چکے تھے۔

رسالۃ التائب کی عظمت عوام کی نظروں میں خلیفۃ المسلمین سے زیادہ تھی جیسا کہ اُس واقعہ سے ظاہر ہو جسکو ابو حاتم سہل بن عثمان سجستانی بصری متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب معرین میں جو مصر کے مطبع سعادت میں ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی ہے ص ۸ پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جس کی عمر بہت زیادہ طولانی ہو اور وہ اُس سے زمانہ قدیم کے حالات دریافت کریں لوگوں نے حضرموت کے ایک شخص کا پتہ دیا جس کا نام اد بن ابد تھا اور اسکی عمر تین سو ساٹھ برس کی ہو چکی تھی، اثنائے گفتگو میں معاویہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاتھ کر دیکھا ہے، اُس نے کہا ہاں میں نے اُنکی زیارت کی ہے بہت شاندار بلند بالا خوبصورت شخص تھے پوچھا کہ اُمیہ کو بھی دیکھا، کہا کہ ہاں ایک بہت قامت اندھا آدمی تھا جسکے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی معاویہ نے کہا کہ تو نے محمد کو بھی دیکھا ہے، اُس نے ان معمولی لفظوں میں ایک مسلمان سے حضرت کا نام سنکر متعجبانہ انداز سے پوچھا محمد کون؟! کہا کہ وہی رسول خدا، یہ سنکر اُس نے کہا کہ "وائے ہو تم پر تم نے پہلے ہی اُنکا اس طرح احترام کے ساتھ نام کیوں نہ لیا جس کا خدا نے اُنہیں مستحق بنایا ہے، یوں کیوں نہ کہا کہ تو نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزیری کی اسد الغابہ (ج ۱ ص ۱۱۵) میں بھی موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرمناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو زبیر بن بکار نے موفقیات

مین درج کیا ہو، یہ زبیر محدثین اہل سنت میں بلند پایہ شخص اور صحاح مستہ کے رواۃ میں سے ہو وہ لکھتا ہو کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ ناقل ہے کہ میں ابوباب مغیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لئے گیا۔ مغیرہ شاہی مہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار میں جاتے اور جب واپس ہوتے تو معاویہ کے عقل و فراست اور تدبیر و دراندیشی کی تعریفیں کرتے تھے، ایک مرتبہ رات کو جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور محزون و مغموم سر جھکا کر بیٹھ گئے، میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود کچھ بولیں مگر انھوں نے کچھ نہ کہا تو میں نے خود دریافت کیا کہ آج آپ کے مغموم ہو چکی کیا وجہ ہے؟ کہا بیٹا کیا بتلاؤں میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو کفر و خباثت میں دنیا بھر سے زیادہ ہو۔ میں نے تعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا؟ کہا کہ آج تنہائی میں نے کہا کہ اے امیر المومنین اب آپ کی کافی عمر ہو چکی ہے بہتر ہو کہ اب آپ عدل و احسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ اب آپ اپنے رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجئے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی فرمائیے۔ کیونکہ اب انکے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو کچھ اندیشہ ہو اس طرح آپ کا ذکر جمیل اور اجر و ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہ جائیگا۔

یہ سنکر معاویہ اہل بیٹے، کہا کہ یہ بات مہیات مجھ کو کس ذکر جمیل کی امیہ ہو سکتی ہے کہ جو باقی رہے، قبیلہ تیم کے خلیفہ (ابوبکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے کام کئے اور کس طرح عدالت کی بھر کیا ہوا سوائے اسکے کہ اگر جب موت آئی تو انکا نام بھی

مردہ ہو گیا اور رسولؐ اسکے کہ لوگ کہیں حضرت ابوبکرؓ اور کوئی اثر نہ چھوڑا پھر قبیلہ
عدی کے خلیفہ (عمرؓ) نے سلطنت کی اور دس برس کس عرق ریزی اور جانفشانی سے
کار ہائے نمایاں انجام دیئے اُن کا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ ہو گئے اور اُن کا
نام بھی مردہ ہو گیا سو اسکے کہ لوگ کہیں حضرت عمرؓ لیکن یہ ابن ابوکبشہ (یہ وہ نام ہے
جس سے کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے) روزانہ پانچ دفعہ اذان میں
اُس کا نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اشھدان محمد رسول اللہ پھر اب مجھ کو اپنے
کس کارنایان کے بقا کی امید ہو اور کونسا نام میرا باقی رہ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں
آخری انجام زمین میں دفن ہونا ہے اور بس (نصائح کافیہ محمد بن عقیل حضرمی ص ۹۳)
اسی زاد اکا پوتا اور اسی باپ کا بیٹا زید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور باپ
کی حسن سیاست نے مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اُس کے اقوال و افعال
سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے، افعال کا یہ عالم کہ وادی نے عبدالسد
بن خنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہکو زید کی حکومت میں یہ
خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر تھپڑ برسائے جائیں گے وہ ایسا شخص تھا
جو اپنی مان بیٹیوں بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور
نماز کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص ۱۲۵ الطبع مصر)
اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُسکی زبان ان اشعار کے ساتھ
مترنم تھی۔

لیت اشیاخی بیدر شہد وا جزع الخوارج من وقع الاصل
کاش میرے جنگ بدرواے بزرگ موجود ہوتے اور وہ شاہدہ کرتے فریق مقابل
کی گھبراہٹ کانیزون کے مقابلہ میں۔

لعبت ہاشم بالملات ولا خبر جاء ولا وحی نزل
یہ تو نبی ہاشم کو سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا، نہ کوئی خبر آئی تھی نہ آسمان سے
کوئی وحی اتری تھی۔

لست من خندف ان لم انتقم من نبی احمد ما کان فعل
میں اپنے بزرگوں کی نسل سے نہیں اگر محمد کی اولاد سے انکے کئے کا بدلہ نہ لون
فجزینا ہم بیدر مثلها و باحد یوم احد فاعتدل
جو جنگ بدرواحد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اس کا ہم نے پورا پورا
بدلا لے لیا۔

لوراؤہ لاستھلوا فرجا ثم قالوا یا یزید لاتشل
اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھلجاتے اور کہتے کہ
اے یزید کبھی تیرے ہاتھ شل نہوں۔

یہ وہ اشعار تھے جو نشہ شراب اور نشہ فتح و نصرت و وہر میستی کے عالم میں
یزید کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے
ظاہر کر رہا تھا اور علامہ سبط ابن جوزی نے انہی اشعار کی بناء پر صریحی طور سے

اُسکے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کی عداوت اور بدرواحہ کے انتقام کا جوش نہ ہوتا تو کم از کم وہ حسینؑ کے ساتھ بڑھائی نہ کرتا اور اُسکے دفن و کفن کا حکم دیتا اور زمانہ جاہلیت کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دل میں کفر و جاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اُسکو جاہلیت رسول کے ساتھ کسی بد واداری پر آمادہ ہونے دیتے تھے محمد بن جریر طبری کہ جنھیں یزیدؑ کے ساتھ کافی خلوص ہو اور تاریخی مسلمات کے خلاف جاہلیت رسالت کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کی حکایتیں نقل کرنے میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہو وہ بھی اس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو ماتم داری کی اجازت دی ہو اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہو حضرت سکیئہ بنت احسین کی زبانی یزیدؑ کی مدح میں جو فقرہ نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

مادایت رجلا کافرا بآلہ خیر امن یزید بن معاویۃؓ میں نے کوئی کافر شخص کہ جو خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو یزید بن معاویہؓ سے بہتر نہیں دیکھا طبری ج ۶ ص ۲۶۷ اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جاسکتا ہو وہ پسرِ جاناہ عبد اللہ بن زیاد ہی جو یزید کے ساتھ کج جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اسکے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں اظہار خیال کیا ہے۔

استقنی شربۃ تووی مشاشی ثم قم واسق مثلھا ابن زیاد
ہاں اے ساتھی مہوش مجھ کو ایک یا ساغر پلا دے جو میرے جسم کے ہر جڑ بند کو سیراب

کر دے پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

صاحب الود و الامانت و التمدید منی و منعی و جہاکی

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمائے
زندگی اور جنگ میں میرا ہمدست ہے۔

اس شخص کا کفر و الحاد اور احکام خدا و رسول سے روگردانی طشت از بام
تھی اور کوفہ کے عام افراد بھی اُس سے خوب واقف تھے چنانچہ اُس موقع پر جب
حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فزوکش تھے اور شریک بن امور کی عیادت کیلئے
ابن زیاد کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلم سے کہا کہ یہی موقع ہے
اس کو قتل کر ڈالئے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور عطا بھی گیا مسلم نے کوئی اقدام اُسکے
قتل پر نہ کیا، شریک نے اُس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلم
نے کہا خصلتان اما احد اھما فکراۃ ہانی ان یقتل فی دارہ و
اما الاخریٰ فحدیث حدیثہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان الایمان قید الفتک ولا یفتک مومن۔ اس کے دو سبب تھے پہلے تو
یہ کہ ہانی کو یہ امر ناپسند تھا کہ ابن زیاد اُنکے گھر میں قتل کیا جائے دوسرے
یہ کہ جناب رسالت کا ب کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کر دینے والا
ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جاسکتا۔
یہ سنکر ہانی نے کہا۔

اما واللہ لو قتلته تقتلت فاسقا فاجرا کافرا غادرا ولكن
کرهت ان يقتل فی داری۔

خدا کی قسم آپ یقین جانتے کہ اگر آپ اس کو قتل کر ڈالتے تو یہ کسی مسلمان
کا قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق فاجر کافر غدار کا قتل ہوتا، بے شک مجھ کو یہ امر
ببند نہ تھا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔ (طبری ج ۶ ص ۲۰۱)



تیسرا شخص جو قتل حسینؑ کا براہ راست ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن سعد
ہے اس کے اسلام کی حقیقت ان اشعار سے ظاہر ہے جو اس موقع پر نظم کئے
تھے کہ جب ابن زیاد نے اُس کو قتل امام حسینؑ پر مامور کیا ہے۔

فواللہ لا ادری وانی لحائر افکوی امری علی خطرین
خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں، میں اپنی نسبت عظیم
باتوں میں فکر کر رہا ہوں۔

انزلک ملک الموی والموی مینی ام اصبح ماؤ ما بقتل حسینؑ
کیا میں ملک رے کو ہاتھ سے جانے دوں حالانکہ ملک رے کی مجھ کو مدت سے آرزو
ہے یا میں حسینؑ کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے گھگھار بنوں۔

الا انما الدنیا بخیر معجل وما عاقل باع الوجود بدین
یاد رہے کہ دنیا نقد و حاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے

عوض بیچ ڈالے۔

يقولون ان الله خالق الجنة و نار و تعذيب و عذاب و عذاب و عذاب
لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب اور عذاب اور عذاب
کی ہتھکڑیاں۔

فان صدقوا فبما يقولون اننى انوب الى الرحمن من منتين
اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہو میں دوتہ
برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کروں گا۔

وان كذبوا فزنا بديننا عظيماً وملك عظيم وامنهم
اور اگر یہ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہو، پھر
تو ہم ایک عظیم دنیا اور ایسے ملک کے حامل کر رہے ہیں کامیاب ہوئے جسکی امتیں
باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں صریحی طور پر عقیدہ معاد اور جنت و دوزخ کے وجود کا
مذاق اڑایا گیا ہے۔

جب حکام و رؤسا کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا با وہ تو انہی لوگوں
کے اشارہ پر چلنے والے اور انکے آلہ کار تھے۔ ان کا غیب منہرے اور روپے
سکون کے علاوہ کچھ نہ تھا، ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بڑا
داغ لگانا ہے اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت

ہر جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اسکے بعد اس سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ، اسلئے کہ سنی شیعہ کا افتراق اسلامی مشترکہ اصول و عقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب خود اسلام دامن کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ افراد جنہیں خواہ مخواہ خلیات پیدا کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور بے بات کی بات پیدا کر کے اسلامی جامعہ میں تصادم پیدا کرتے ہیں وہ اس خیال کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ قاتلانِ امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے اور یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے ان حلقوں میں پیش کیا جاتا رہا ہے چونکہ تاریخی نصوص دشواہد اس دعوے کو بالکل بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں لہذا ایک تاریخی فرض کی حیثیت سے ہم نے قصد کر لیا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں عام اسلامی مستند کتب سے تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ قلمبند کریں جس کے بعد وہوں میں قتل اور زبانون میں گرہ بڑ جائے اور پھر کبھی اسکی جرأت نہ ہو کہ قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہا جائے۔

قاتلانِ حسینؑ کی مذہب پر اجمالی نظر

گذشتہ حصہ کلام میں جو کچھ حوالہ قلم ہوا وہ اس ننگ انسانیت جماعت کے باطنی عقائد کی بنا پر پٹھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کر کے صاف واضح کر دیا ہو کہ اس جماعت کے دل میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ اٹھان مذہب

عین لاندہی کی تصویر تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہری حیثیت سے یہ افراد
مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے اور انکی لاندہی جس درجہ پر بھی ہو اُس پر اسکی
ورسکی مذہب کا ایک ہکا سا پروہڑا ہوا ضرورتاً جس کی بنا پر یہ سوال پیدا
ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کے لئے
ذیلہ کی بات قائم ہونا ضروری ہے۔

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی ذیہ کیا تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اسکی جگہ کس فرقہ
کے اصول و تعلیمات میں نکالی جاسکتی ہے؟
ان دونوں تحقیقوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائیگا
کہ اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتل امام حسینؑ کی بنیاد اُمیر معاویہؓ
کے بعد نپید کی خلافت اور اُس کے تسلیم کرانے کے لئے حسین بن علیؑ سے بیعت
پر اسرار اور حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر کھڑ
رقت تک ہزار ہا مصیبتیں سہانے آنے پر بھی قائم رہتا ہے۔

یہی چیز وہ تھی جس نے دنیا کی اس طوائف و عوامین وسعت کو فہرہ زد و لالہ
ترنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اُس بیگناہ کے
خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔

وہی وقت جب امیر معاویہ بقول ابن حجر مکی (۱) یزید کی محبت میں اندھے ہو کر مسلمانوں سے اپنے ہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اُسکی ولیعهدی کو تسلیم کرانے کے لئے شام و عراق کے خزانے اور حیلہ گری سیاست کے تمام ہتھکنڈے صرف ہو رہے تھے اور عالم اسلام کا ہر جزو و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اُس موقع پر بائچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبیر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے جن میں سب سے پہلا نام حسین بن علیؑ کا ہے اور آہکی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسینؑ بن علی کو بلوا کر کہا کہ اس معاملہ میں تمام لوگ ہموار ہو چکے ہیں سوائے بائچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی تم کر رہے ہو۔ حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا انا تو دھم میں انکی سرکردگی کرتا ہوں؟ معاویہ نے دیدہ دلیری کے ساتھ کہا نعم انت تقودھم بیشک آپ ہی انکے سرکردہ ہیں۔ یہ شکر حضرت نے فرمایا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے اگر

(۱) تطہیر الجنان حاشیہ صواعق طبع مصر ص ۵۵

اُن سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں "یہ سہ
 دفع الوقتی کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں امیر معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی
 اس لئے کہ آخر تک سولے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کمزور دل اور عقیدہ کے
 شخص تھے ان اشخاص میں سے کسی نے بیعت کی ہامی نہیں بھری تاہم طبری
 جلد ۶ صفحہ ۱۷۱

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے اور ۵۷ھ کے درمیانی
 عمر میں رجب ۳۷ھ میں رحلت کر گئے، یہ تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام
 اہل شام نے بیعت کی، دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ زبرد کے سامنے موجود تھی
 اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے
 تمام ذرائع و اسباب پوری فراوانی کے ساتھ مہیا لیکن ایک خیال تھا جو اس کے
 دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے اس کی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک
 سیاہ بنائے ہوئے تھا اور وہ اُن حبیبت آدمیوں کا بیعت سے انکار کہ جن میں
 اول درجہ کی شخصیت حسین بن علیؑ کی تھی، اس نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے
 ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ یہی کہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان
 کو جو مروان کی معزولی کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا خط لکھا۔

(من یزید امیر المؤمنین الی الولید بن عتبہ اما بعد فان
 معاویۃ کان عبداً للہ اکرمہ اللہ واستخلفہ و خولہ

وَمَكَّنْ لَهُ فَعَّاشٌ يُقَدِّرُ وِمَاتٍ بِأَجَلٍ فَرَحِمَهُ اللَّهُ فَقَدْ عَاشَ
مَحْمُودًا وَمَاتَ بِرَأْفَةٍ وَالسَّلَامُ

خط کا مضمون ختم ہو گیا اور اس میں سوائے معاویہ کے اتھالی کی خبر کے
کچھ نہیں ہے لیکن اسکے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا
اے اے ابوبکر! خذ حسینا و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة بالانابة
سند یہ الیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسلام

"دیکھو حسین اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن الزبیر کو بیعت پر بہت سختی
سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں دم نہ لینا"

ولید البسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سیسی بن مکرزہ کا شخص تھا اور
حسین کی عظمت و شخصیت کا آخر ایک حد تک اس پر قائم تھا، اس میں اتنی ہنسٹکی
اور ستہ کشی بھی نہ تھی کہ ایک بیگناہ کا خون بہاتے ہوئے اسکو لذت محسوس ہو نہ
کے فرمان شاہی نے اس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم ملامت پیدا کر دیا اور وہ
اس شمش و بیج میں تھا کہ زید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔

یشک ننگ اسلام لیکن ساتواں خلیفہ مسلمین مروان بن حکم جو ابتداء ہی میں
رسول اللہ کی بارگاہ سے ملعون بن ملعون کا لقب پا چکا تھا (۱) اس نے یہی مشورہ
دیا کہ حسین سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ نہ جیت نہ کرے تو ان کا سر تسلیم کر کے

(۱) حیوة الحیوان و میریاج اہل بیت بحوالہ مستدرک حاکم

نزدیک کے پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح پبندی کے باعث اُسکا مشورہ قبول کرنے سے مجبور رہا لیکن حسین بن علی کو بلا کر یزید کا پیغام پہونچا دینے میں اس نے کوتاہی نہیں کی اور اگر حسین عاقبت اندیشی کر کے غیر معلوم طریقہ پر مدینہ رسول کو خالی نہ کر دیتے تو ولید ہی عمر سعد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مال و جاہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف میں اقدام کرتا اور یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اسکو مغزول کر کے مروان بن اعلم یا اُسکے ایسے کسی سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسول کے خون سے مدینہ رسول کی زمین کو گل رنگ بنایا جاتا مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۸۷-۱۹۰

فرزند رسول کو معطلہ پہونچے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلم کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا، کوفہ کی خلقت یزید کے اعمال و کردار سے واقفیت کے باعث اُسکی خلافت سے بیزار تھی اس لئے مسلم کا خوشگوار طریقہ پر استقبال کیا، نعمان بن بشیر انصاری جو اسوقت کوفہ کا حاکم تھا وہ صلح پسند بے شر آدمی تھا اور اُس نے مسلم سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مخبرون نے خلیفہ وقت یزید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے ہیں۔ اور یہاں کے لوگوں نے حسین بن علی کی بیعت کی ہے نعمان بن بشیر فطرۃ کز و شخص ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے اگر آپ کو کوفہ کی حفاظت کرنا ہے تو ایک مضبوط آدمی

یہاں مقرر کیجئے جو آپ کے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

یزید نے سرجون معاویہ کے رازدار غلام کو بلا کر مشورہ کیا، اُس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو انھوں نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کو فد کی حکمت کے بارے میں لکھا تھا، یزید بڑھے باپ کی اس بر موقع پیش بندی کو دیکھ کر اچھل پڑا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیل کو فد میں آکر وہاں کے لوگوں کو مجھ سے منحرف کر رہے ہیں۔ اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کو فد کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلم پر قابو پا کے اُن کو سزا دو۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۰-۱۹۱)

گوناگون واقعات کے بعد فرزند رسول دوسری محرم ۳۰ھ کو اپنی آخری منزل پر پہنچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر کربلا آیا اور جگر گوشہ رسول کا خون آشام دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی واپس ہائی واقعات کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب میں ہر موقع پر اُس کا ہمیر سختی کے ساتھ ٹوک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظالم کیا کر رہا ہے، جسکو شکر وہ ایک مرتبہ ٹھٹک جاتا تھا۔ لیکن طمع دنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اُس کا قدم آگے بڑھا دیتی تھی، وہ ایسے مواقع ڈھونڈتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مقصد کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے اسی بنا پر کہ وہ پہنچنے کے بعد اُس نے امام حسین علیہ السلام سے سلسلہ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد کو

لکھا کہ میں نے حسینؑ سے بات چیت کر کے اُن کا منشا معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو اہل کوفہ نے دعوت دی تھی اسلئے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی بات بر قائم نہیں ہیں تو میں جان سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔

اس خط کا جو جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہے۔

(اما بعد فقد بلغنی کتابک وفہمت ما ذکرک فاعرض علی
الحسین ان یبایع للیزید بن معاویۃ ہو و جمیع اصحابہ فاذا فعل
ذلت سرائینا والسلام)

یعنی "خط پہنچا اور حال معلوم ہوا تم حسینؑ سے یہ مطالبہ کر دو کہ وہ اپنے تمام اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں، اسکے بعد ہم صورت حال پر غور کریں گے۔" عمر بن سعد حسینؑ کے استقلال اور ثبات قدم سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے مشرانجوار و فاسق کی بیعت نہ کریں گے، جس کی بنا پر اُس نے خط کے پڑھتے ہی کہا قد حبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیتہ اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتا (طبری ج ۶ ص ۲۳۷)

عمر سعد کا خیال صحیح تھا، حسینؑ ایسے کمزور متلون مزاج غیر ثابت قدم نہ تھے کہ کسی بڑے خطرہ سے سہم کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی کیا، دینے دیکھ لیا کہ معائب کے بہت شکن پہاڑ انکے ثبات قدم اور کوہ گران استقلال کے سامنے سبک نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے یزید کی بیعت نہ کی جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم کی عصر کو زمین کو بلانہی فاطمہ کے خون سے رنگین تھی اور
شہدائے حق کے بے سراستے زمین و آسمان سے اُنکی جان بازی کا مرثیہ پڑھوا
رہے تھے۔

سبب (۱) -

ابتداء انتہا وسط کے واقعات کو تاریخ کے طول و عرض اور اوراق میں سے
منتخب کر کے حسب موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہو اور اس سے صاف
ظاہر ہے کہ۔

(۱) حسین بن علیؑ کا مدینہ سے ہجرت کرنا کس سبب سے تھا؟
(۲) کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کے لئے تھی؟
(۳) حسین بن علیؑ سے ابن زیاد کے خط کی بناء پر آخری مطالبہ کیا تھا جسکے
بے منظور کرنے کا نتیجہ قتل حسینؑ کی صورت میں ظاہر ہوا؟
جواب ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرنے کا مطالبہ یہی وہ
تھا جو قتل حسینؑ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا
باعث ہوا۔

یزید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اس وقت جب مخدرات
خاندان رسالت امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کے دربار میں لائی گئیں یزید
نے امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا علی ابوک الذی قطع رحمی وجعل حقى ونازعنى ساطعانی
فصنع الله به ماقد رأیت۔

اے علی بن الحسین تمہارے باپ نے میری قرابت داری کا لحاظ اور میرے
حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلاف کیا جس کا نتیجہ تم دیکھ رہے ہو۔
(طبری ص ۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسین کا سبب زید کی خلافت سے اختلاف تھا
اور یہی وہ بنیاد تھی جسکی بنیاد پر قاتلان حسین نے اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا۔
اب بھی دوسری صحیح کبریٰ کی خلافت کس فرقہ کے مذہبی تعلیمات
کی رو سے صحیح اور اسکی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں زید بلکہ
اس سے بڑے بڑے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے، انھوں نے تو
سرسے اس سلسلہ ہی سے اظہار برأت کیا ہے جسکی بانچوین یا چھٹی کڑی میں
زید کی امامت خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہ گئے اہل سنت مجھ کو اُنکے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن
امام اہلسنت حافظ شام جلال الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد
اور ذمہ دار شخص کہے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تاریخ ائخلفاء میں اس مطلب کو
بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں
 هذا تاريخ لطيف ترجمت نبيه الخلفاء امراء المؤمنين
 القائمين بامر الامة من عهد ابى بكر الصديق رضى الله عنه
 الى عهدنا هذا على ترتيب زماهم۔

اس پر لطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفاء کے جو امیر المؤمنین
 تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر
 اپنے عہد تک اُنکے زمانہ خلافت کی ترتیب کے مطابق۔

انہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں اُنہیں
 سے ہر ایک کو امیر المؤمنین کہنے کے لئے طیار ہیں اور انکی خلافت اُنکے نزدیک صحیح
 و مسلم تھی لیکن اسکے بعد نقطہ نظر پر پوری روشنی پڑتی ہے جبکہ وہ مصر کے خلفاء بنی
 فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

لموارد اهل امن الخلفاء العبيد بين لان امامتهم غير
 صحيحة كالمورد۔

میں نے اس کتاب میں خلفاء و عبید میں میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہوا اسلئے
 کہ اُن کی امامت و خلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی، پہلے یہ کہ وہ قرشی نہ تھے
 اور نہ کو ناواقف عوام فاطمی نسل سمجھنے لگے ورنہ حقیقتہً اُن کا مورث اعلیٰ ایک
 مجوسی شخص تھا۔

رافسوس ہرگز تاریخ نے اُن ریشہ دو ایوان کو جو خلیفہ عباسی کی طرف سے
سلاطین بنی فاطمہ کے خلاف اُن کے نسب میں فتنہ کے متعلق کی گئی تھیں اور جن
صورتوں سے بحیرہ تہر اُس محضر پر دستخط لگے تھے ہمارے سامنے پیش کر کے علامہ
سیوطی کے اس عذر کو غیر قبیح بنا دیا ہے

دوسرے یہ کہ اکثر ان میں سے بد عقیدہ کفر و زندقہ کی طرف مائل اور اسلام سے
خارج تھے اور ان میں سے بعض نے انبیاء کی شان میں گستاخانہ کین اور بعض
نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لئے سجدہ کا حکم دیا اور جو اُن میں
ان تمام عیوب سے پاک ڈھونڈھا جائے اُس میں بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کٹر افغانی
ہے کہ جو سب صحابہ کا حکم دیتا ہے۔

ومثل هؤلاء لا تغفل لہم بیعت ولا تصح لہم امامت
اور جو ایسے اشخاص ہوں اُنکی بیعت درست نہیں ہو سکتی اور نہ امامت
اُنکی صحیح ہے۔

میں حافظ سیوطی سے محاسبہ نہیں کرنا چاہتا نہ اس کی تحقیق کر دنگا کہ
مذکورہ بالا الزامات صحیح ہیں یا نہیں، نہ یہ دریافت کروں گا کہ کیا خلفائے نبی ہیں
و عباسیہ میں ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب اور لواط
ایسے معاصی کو جائز سمجھے اور نہ اس سوال کی زحمت کروں گا کہ کیا اُن میں سب صحابہ
کی نظریں نہیں بائی جاتیں۔ اس لئے کہ میں اگر ایسا کروں تو مناظرہ کے ایک وسیع

وادی میں میرا قدم بڑ جائیگا اور میں نے مناظرہ کے لئے قلم نہیں اٹھایا ہو۔ میں تو صرف ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے تاریخی حقائق کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حافظ سید علی کی اس معذرت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن اشخاص کا ذکر ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بیعت قراءہ کے مطابق اور حقیقت امت و خلافت صحیح و جائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اس کے بعد جب ہم اسی تاریخ خلفاء کی سیر کرتے ہوئے ۲۰۵ ہجری پہنچتے ہیں تو چلی حروف میں یہ سرخی نظر آتی ہے "یزید بن معاویہ ابو خالد الاموی جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس کو صاف ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امت و خلافت اسکی جائز اور قابل تسلیم اور صفحہ ۹ میں جناب ریالہاب کی حدیث لا ینال هذا الدین قائما حتی یکن علیہم اثنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھے ہوئے جو اس درجہ کئے ہیں وہ بھی یوں ہیں۔

ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر الحکامین فی صفین فتسمی معاویہ یومئذ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس علی معاویہ عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ینظم للحسین امر بل قتل قبل ذلک۔

خلافت کی ترتیب یوں ہو کہ لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کیا اور وہ پہلے خلیفہ

ہوئے) پھر عمر پھر عثمان پھر علیؑ یا شاک کہ تمہیکم کا مسئلہ پیش آیا، اسوقت معاویہ نے خلافت کا اوعا کر لیا لیکن لوگوں کا اجماع انکی خلافت پر حسن کی صلح کے موقع پر ہوا اور اسکے بعد زید کی خلافت پر اجماع ہوا حسین کے لئے امامت مائل نہ ہوئی بلکہ وہ اسکے قبل ہی قتل ہوئے لہذا انھیں خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی شرح صحیح بخاری میں حدیث مذکور کی شرح میں دیا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ زید کی خلافت صحیح و جائز اور حق بجانب تھی اور ان دنوں دہزار حفاظ و امامان اہلسنت کی تحریر کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسی زید کی خلافت تسلیم کرانے کے لئے حسین بن علیؑ قتل کئے گئے جس کے بعد قدرتی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اس مذہب کے نام پر آتھے جس میں زید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور ان کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قاتلان حسینؑ کے تاریخی شواہد و نصوص

تاریخی اوراق ان نصوص و شواہد سے چھلکتے ہیں جسے قاتلان امام حسینؑ کا مذہب بچے پر دہا بکر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل اجماع سے علیحدہ نہ تھے جو کثرت کی صورت میں ہمیشہ سے سادات اعظم کا مصداق بنا رہے ہیں تفصیل کے لئے ایک طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے لیکن بغیر یہاں مختصر میں تتبع اور کتب پر

جو شواہد پیش نظر ہیں انہی کو قلم برداشتہ فہرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوگا

(۱)

وہ وقت کہ جب سلم بن عقیل کو ذہن اگر فرزند رسول کی بیعت لے رہے ہیں اور
نبی اُمیہ کے مظالم سے گھبرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جان کر ٹوٹ پڑی ہو اور
نعمان بن بشیر جو کوذہ کا حاکم ہے اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے
عین اسی موقع پر ایک خط جاتا ہے کوذہ سے یزید کے پاس جس کی عبارت یہ ہے۔
اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفة فبايعتہ الشیعة
للحمین بن علی فان کان لا بالکوفة حاجة فابعث الیہا رجلا قویا
ینفذ امرک ویعمل مثل عملک فی عدوک فان النعمان بن بشیر
رجل ضعیف او هو یتضعف؟

مسلم بن عقیل کو ذہ آئے ہیں اور شیعوں نے انکے ہاتھ پر حسین بن علی
کی بیعت کی ہے۔ اگر آپ کو ذہ میں اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقت دار
شخص کو یہاں مقرر کیجئے جو آپ کے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک
کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے اسلئے کہ نعمان بن بشیر جو کوذہ کا حاکم ہے، وہ فطرتاً
کمزور ہی یا اُنسی وجہ سے کمزور ہی کر رہا ہے؟

اس ضمن میں کے لکھنے والے تین آدمی ہیں (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید

حضرت حلیف بنی امیہ (۲) عمارۃ بن عقبہ ۳۱ عمر بن سعد بن ابی وقاص یزید نے اس خط کو دیکھ کر ان واقعات کے بعد جو سابق میں نظر سے گزر چکے ہیں جو فرمان ابن زیاد کے نام لکھا اسکی عبارت قابل دیدہ ہو۔

اما بعد فانه كتب الى شيعتي من اهل الكوفة يخبروني ان ابن عقيل بالكوفة يجمع الجميع لشق عصا المسلمين فسرحين تقرأ الخ۔

میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جتنے جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنی بنائی بات کو بگاڑنا چاہتے ہیں اندام فوراً دہاں جاؤ اور مسلم پر قابو حاصل کر کے سزاؤں اور طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰

محترم ناظرین! پہچان تو لیا ہو گا یہ عمر بن سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں سے ہے، بیشک یہ وہی سپہ سالار ہی جو حسین بن علیؑ کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا جس نے سب پہلا تیر شکار حسینؑ کی طرف رہا کیا تھا (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)۔

اسکی لفظین کہ بائعتہ الشیعۃ للحسین بن علیؑ شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر پر حسین کی ہیت کر لی ہے۔ صاف بتلاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ کتب الی شیعتی من اهل الكوفة ”مجھ کو میرے شیعوں نے کوفہ سے لکھا ہے“ بتلا رہی ہیں کہ شخص یزید کا شیعہ اور اسکی خلافت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا، اب اس کا فیصلہ ہمارے مفسرین کی گذشتہ قسط دیکھ چکے والے ناظرین کو اتھ ہے کہ اس کا تعلق کس فرقہ کے ساتھ ہو سکتا ہے؟

(۲)

حسین بن علی کہ منظر سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور
 حصین بن تمیم کے حکم سے جو قادیسیہ میں ناکہ بندی کے لئے مقرر تھا حرمین
 ریحی ایک ہزار کی فوج کے ساتھ سدراہ ہونے کے لئے آگیا ہے اور وہ حضرت
 کے ساتھ ساتھ ہو کر حضرت کو مدینہ رسول واپس نہ جانے دے اور چلتے چلتے قافلہ
 نینوا پہنچا اسی وقت ایک مسلح ناؤ سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا
 دونوں طرف کے لوگ سمجھنے سے انتظار کرنے لگے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے
 حرا اور اصحاب حرا کو سلام کیا لیکن حسین بن علی اور ان کے اصحاب کو سلام نہیں کیا
 وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حرا کے ام میں میں لکھا تھا کہ "میرا خط پہنچتے ہی حسین کے
 ساتھ سختی شروع کر دینا اور ان کو ایسی جگہ اترنے دینا جہاں ان کے لئے کوئی محفوظ
 جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو۔"

امام حسین کے ساتھیوں میں سے یزید بن زیاد بن ہاشم ابوالشعثا کہ سندھ
 نے خط لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ
 "کیا مالک بن انسیر ہی ہے؟"

اس نے کہا "ہاں میں وہ ہی ہوں" ابوالشعثا نے کہا "تکلتک امک
 ماذا جمعت فیہ" خدا تجھے غارت کرے۔ یہ تو کس کام کے لئے آیا ہے؟

اس نے جواب دیا وسأبعثت فيه اطعت امامی ووفیت ببیتہی میں
اور کس کام کو آیا ہوں؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت کی اور بیعت کر پورا کیا
ابا الشغاسے کہا کہ

عصیت ربک واطعت امامک فی ہلاک نسلک کسبت
العار والنار قال اللہ عز وجل وجعلنا منهم ائمة یدعون الی النار
ولیوم انقیامہ لا ینصرون فہو امامک۔

تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کر کے اپنی ہلاکت
کامان کیا، تو نے دنیا کی فحشیت اور عذاب آخرت دونوں کو مول لے لیا بلکہ
تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے
ہیں اور روز قیامت ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا، ان معنوں سے بے شک وہ تیرا
امام ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳۱)

یہ مالک بن نسیر کون ہے؟ یہ وہی ہے کہ روز عاشور حب فرزند رسول زخموں
سے جو رہ کر زمین پر تشریف لا چکے تھے تو وہ شقی آیا اور حضرت کے سر قدس پر تلواریں
لگائی جو عامہ گو کاٹ کر سر میں اتری اور تمام عامہ خون سے تر ہو گیا، طبری میں اس
واقعہ کا تذکرہ حسب ذیل عبارت میں ہے۔

”مکت الحسین طویلا من النصار کلما انتھی الیہ رجل من
الناس انصرف عنہ وکرہ ان یتولی قتله وعظیم اثمہ علیہ قال

وان رجلا من کندة يقال له مالك بن النسيير من بني بداء اناه
 فضر به على راسه بالسيف وعليه برنس له فقطع البرنس و اصاب
 السيف راسه فادمى راسه فامتلا البرنس دما فقال له الحسين
 لا اكلت بها ولا شربت وحشرک الله مع الظالمين رج ۶ ص ۱۲۵

اس کا یہ کہنا کہ اطاعت امامی و وفیت ببیعتی صاف بتلاتا ہے کہ وہ
 نیرید کو امام وقت سمجھتے ہوئے اسکی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیعہ مذہب سے اسکی
 بے تعلقی اور دوسری جماعت سے وابستگی کی بہترین دستاویز ہے۔

اسکے مقابلہ میں ابوالشغائر کا یہ جواب کہ وہ ان ائمہ میں سے ہر جو ماہرہم
 کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدہ تشیع کا بڑا مظاہرہ ہے اور اس مقابلہ سے
 ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزند رسول کر بلا میں پہونچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا، ساتویں تاریخ
 قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے۔

اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ و بین الماء ولا ید وقوا
 منه قطرة کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان
 حسین اور اصحاب میں کے سامنے پانی کی طرف سداہ ہو جاؤ اور انکو

(۴)

زمین محرم کی شام اور عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوج حسینی پر حملہ کر دو اور
 سید الشہداء کا حضرت عباس کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جا کر ان کا مقصد معلوم
 کریں، وہ وقت تھا کہ حضرت عباس بیس سو اردن کی جمعیت تائین دشمن کے ٹہری
 دل لشکر کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ یہ بے وقت کی پیش قدمی کیسی؟ جواب ملا
 ”امیر کا حکم ہے کہ یا تم لوگ اطاعت قبول کرو اور یا فیصلہ کن جنگ ہو جائے“ جناب
 عباس یہ کہہ کر کہ میں امام حسینؑ سے جا کر عرض کرتا ہوں۔ وہاں سے ہٹے اور وہ جہالت
 کہ جو آپ کے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی حبیب بن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت جانا
 اور چاہا کہ فریقہ مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام دین اور یوں آخر شروع کی
 ”یا درہے خدا کی قسم بدترین قوم وہ ہوگی جو در قیامت خدا کا سامنا کرے گی۔
 اس حالت میں کہ اس نے نبی کی ذریت کو قتل کیا ہوگا اور ان کی عترت کا خون
 بہایا ہوگا اور ان کے ساتھ ان عابد و زاہد خدا کے بندوں کو جو پچھلے پہر حبارت خدا
 کرتے اور جن کی زبانیں ذکر الہی کے ساتھ شکر رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا۔“
 عزرة بن قیس اُحسی جو فوج مخالف میں تھا اس نے مذاق کے طور پر کہا
 ”حبیب جان تک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا عسا بہ
 و تنجہ گذار ہوں۔“

زہیر بن قیس نے پکار کر کہا "عزروہ اس میں حسد بے کار کا ہے، خدا ہونے
 ان کے نفس کو آراستہ کیا ہو اور اُس کو راہِ راست کی طرف ہدایت کی ہو۔
 عزروہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے خوف کرو اور خدا کا واسطہ تم
 اس جماعت میں نہ رہو کہ جو گمراہ ہو کر بے گناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہو۔
 عزروہ بن قیس یہ شکر زہیر کی طرف فرمایا اور کہا۔
 یا زہیر ما کنت عندنا من شیعۃ اهل هذا البيت اما
 کنت عثمانیا۔

"اے زہیر تم ہو۔ تم تو ہماری دانست میں اس خاندان کے شیعوں میں
 سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔
 زہیر نے کہا۔

افلا تستدل بموقفی هذا انی منهم الخ
 "اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم سمجھے کہ میں شیعیانِ اہلبیت میں سے
 ہوں یا درکھو کہ میں نے امام حسینؑ کو نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی قاصد روانہ کیا
 تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن رستہ میں اتفاق سے مجھ سے ان سواقات
 ہو گئی اسوقت مجھے رسالت کا اور اس تعلق کا جو ان کو حضرت رسولؐ سے ہے
 خیال آگیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمہارے گروہ کی طرف جارہے
 ہیں اسوقت میں نے دل پر طمان لپی کہ انکی ہر درون اور انکے انصار میں داخل ہو کر

اپنی جان کو اُن پر سے فدا کر دین خدا و رسول کے اُن حقوق کی نگہداشت کے لئے
جنہیں تم نے صنایع و برباد کر دیا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳۷)

"تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے؟
صریحی دلیل یہ کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اس وقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ
جماعت سے ہو اور وہ لوگ جو ان کے مقابل میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی
المسلک اور مخالف تشیع ہیں اور زہیر کا یہ مقولہ کہ "ابو میرے یہاں ہونے سے
سمجھے کہ میں شیعہ اہل بیت ہوں؟ وہ بھی اس کا زبردست مؤید ہے۔"

(۵)

روز عاشور جبکہ جنگ چھڑ چکی ہے اور انصاف حضرت سید الشہداء کی ایک کافی
تعداد قتل ہو چکی ہے اُس وقت یزید بن مقل قبیلہ بنی غمیرہ بن ربیعہ میں سے لشکر
عمر سعد کی صف سے باہر نکلتا ہے اور بریر بن خضیر کو آواز دیکر کہتا ہے۔

کیف تری اللہ صنع بک دیکھتے ہو خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا
یہ سن کر بریر نے جو اصحاب حضرت سے تھے جواب دیا صنع اللہ واللہ بنی خیل
وصنع اللہ بک شرا میرے ساتھ تو خدا نے اچھا ہی اچھا سلوک کیا، بے شک
تیری بڑی بری درگت لگائی۔
یزید نے کہا۔

كذبت وقيل اليوم ماكنت كذا باهل تذكروانا اما شبك
فی بنی لوزان وانت تقول ان عثمان بن عفان كان علی نفسه مسوقا
وان معاویة بن ابی سفیان ضال مضل وان امام الہدی
والحق علی بن ابی طالب۔

"تم تو جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اسکے قبل تم کبھی جھوٹ بولتے نہ تھے، اچھا یہ
یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ بنی لوزان کی جماعت میں جا رہا تھا اور اس وقت
تم حضرت عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ) وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے
یعنی مصیبت کا شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان گمراہ اور دوسروں کو گمراہ
کرنیوالا ہے اور سچے امام اور رہنما اگر ہیں تو وہ صرف علی بن ابی طالبؑ۔

بریر نے کہا "بیشک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی میں اپنی بات پر قائم ہوں۔"
یزید بن مقل "فانی استھد ائک من الصالحین میں تو گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ
بریر "اچھا تو یہ تدبیر نہ کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ کاذب
پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہو وہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اس کے بعد میں
نکل کر تم سے جنگ کروں۔"

یزید۔ اچھا یونہی ہی ہے۔

مباہلہ ہوا اور دونوں نے دعا کی کہ ہر آلہا جو حق پر ہو وہ دوسرے کو قتل کرنے
میں کامیاب ہو اس کے بعد آپس میں تلوار چلنے لگی۔ یزید نے ایک وار بریر پر کیا جو

اوجھاڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہونچا، بریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار سی لگائی
جو منفر کا ٹپتی ہوئی کاسے سر میں پہونچی اور وہ گھوڑے سے گرا اس طرح کہ تلوار
بریر کی اس کے سر میں قائم تھی اور بریر نے اطمینان کے ساتھ تلوار کو اس کے سر سے
کھینچا (طبری ج ۴ ص ۱۲۴)

اب تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہداء کا مذہب کیا تھا اور مخالف جماعت
کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھ کو یہ دیکھ کر سرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنی زبان
سے نہیں اور نہ اپنا طبع فرد بلکہ وہ ایک مسلم امام فن اور حافظ اہلسنت کی تاریخی
شہادت ہو جسے دیکھنے کے لئے ریدہ دنیا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ تاریخ کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس آقا
پر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجشک کے پیش نظر ہے اس سے حق و باطل کا
نقشہ بھی بغیر کسی حجاب کے سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف
تھا اور وہ کیونکر ظاہر ہوا۔

(۶)

بریر اب بھر کر قتل ہو گئے اور ان کا قاتل کعب بن جابر بن عمرو ازدی فتح و ظفر
کی ستر اور جائزہ و انعام کے خوشگوار توقعات کے ساتھ واقعہ کر بلا کے بعد اپنے گھر

کو فہ واپس گیا، لیکن اسکی بیوی یاہن نوار بنت جابر نے کہا "تو نے فرزند فاطمہ زہرا
کے قتل میں شرکت کی اور سیدہ القراءہ ابریرا کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑا غصہ
کیا اب میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گی۔"

اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔
سلی تغیری عنی وانت ذمیتہ غداۃ حسین والراح سوارع
لوگون سے دریافت کر تجھے معلوم ہوگا میرا مال حسین کے لئے دین جبکہ میرے جنگ
کے لئے سیدہ ہو چکے تھے۔

المات اقصى ما كرهت ولم يحل علی غداۃ النورع ما اذا صانع
کیا میں نے بہترین طریقہ پر انجام نہیں دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ ہے
اور عالم جنگ میں اُس کا رنایا ان کے انجام دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی
معی یزنی لم تخف کھوبہ واسیع من شرب القرارین قاطع
میرے پاس کیا نیرہ تھا جس نے میدان جنگ میں دغا نہیں کی اور زلوار
تھی کہ جس کی دھارتیر اور کاٹ دار تھی۔

فجرتہ فی عصبۃ لیس دھیم بدینی وانی باہن حرب لقالع
میں نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کے لئے کہ جن کا مذہب میرا مذہب ہے
جداگانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابوسفیان کی اولاد پر ہے۔

ولم تر عینی مثلهم فی زمانهم ولا قبلهم فی الناس اذا انا یافع

اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگوں کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے نہ اُن کے زمانہ میں اور نہ اُنکے پہلے اس وقت کہ جب میری نوجوانی تھی۔

اشد قراعا بالیوف لدی الوغا الاکل من یحیی الذ مار مقارع
جو تمام دنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پخت شمشیر زنی کرنے والے ہوں اور
بیشک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہوگا وہ اسی طرح شمشیر زنی کریگا۔
وقد صبر واللطعن والضرب حبرا وقد نازلوا لوان ذلک نافع
وہ نیزہ و شمشیر کھانے کے لئے زمین آمار آمار کے مقابلہ پر کھڑے رہے اور جنگ
بھی خوب کی لیکن رقت تعداد دشمن کی قوت کے سبب سے اُن کو جنگ سے
فائدہ کب پہنچ سکتا تھا۔

فابلع عبید اللہ امالقیۃ بانی مطیع للخلیفۃ سامع
کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے ملکر پہنچا دے کہ میں سجان و دل خلیفہ وقت کا مطیع
و تابع فرمان ہوں (طبری ج ۶ ص ۲۴۸ - ۲۴۸)

"لیس دینھم بدینی" کافرہ بتلا رہا ہے کہ اس کا مذہب انصارِ امام حسینؑ
کے مذہب سے خلاف ہو اور انصارِ امام حسینؑ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ میں صاف
منظر آ رہی ہے جس کا مبالغہ کے موقع پر بریر نے اعلان کر دیا۔ اگر سوادِ عظیم اسلام
اسی عقیدہ کا معتقد ہے کہ جس کا بریر نے اظہار کیا تو یونہی سہی اور اگر وہ اُس عقیدہ
کے خلاف ہو تو پھر قاتلانِ امام حسینؑ کا مذہب بھی معلوم۔

(۷)

اب اصحاب امام حسینؑ میں سے نافع بن ہلال جملی جنگ کے لئے نکلے اور وہ
یوں رجز پڑھ رہے تھے۔

(انا الجملی انا علی دین علی)

”میں قبیلہ نبی جمل میں سے اور علی کے مذہب پر ہوں۔“
ایک شخص مقابلاً پر لگا جس کا نام مزاحم بن حریش تھا اس نے کہا انا
علی دین عثمان ”میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں۔“
نافع نے کہا ”انت علی دین شیطان“ یہ کہہ کر حملہ کیا اور اسے
قتل کر ڈالا (طبری ص ۲۴۹)

اے لیجئے! اب تو تاریخ نے کوئی قسمہ باقی نہیں رکھا، طرفین کے مذہب کو اتنی
روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۸)

عین موقع جنگ پر لشکر عمر سعدؑ میں عمرو بن العجاج نے کھڑے ہو کر آواز دی
یا اهل الکوفة الزموا طاعتکم وجبا عتکم ولا تروا بوا فی قتل من
مرف من الدین وخالف الامام۔

اے اہل کفر اسی کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو۔ اور کوئی
شک نہ کرو ان لوگوں کے تلس میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام کی مخالفت
کر رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے یہ آواز سنی اور فرمایا "اے عربین! کجارج تو میری جنگ
کے لئے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو؟
خدا کی قسم جب یہ چند روزہ زندگی ختم ہوگی اور موت کا فریاد چکھو گے اس وقت
معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں سنا رہا ہے؟ کا سخت ہر
رجبری ص ۲۴۶

اب کوئی بتلائے کہ وہ کونسا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام حسینؑ
وہ صاحب حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور یہ یحییٰ کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام
کا الزام تاریخ اخلاقیہ سیوطی کی روشنی میں کس جماعت کی طرف سے عائد کیا
جا سکتا ہے؟ !!

(۹)

فرزند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کے محدرات اسیر ہو کر دربار ابنی
میں لائی گئیں اور ابن زیاد نے اعلان کرایا کہ لوگ مسجد جامع میں مجتمع ہوں، اس
موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر جو تقریر کی ہے اسکا اقتصادی حصہ یہ ہے کہ:-

الحمد لله الذي اظهر الحق واهل ونصر امير المؤمنين يزيد
بن معاوية وحزبه وقتل الحسين بن علي وشيعته
"خدا کا شکر جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفہ وقت ^{بن} ^{نبرد}
معاویہ اور اُسکے گروہ کی مدد فرمائی اور حسین بن علی کو اُنکے شیعوں سمیت قتل
کیا؟ (طبری ص ۲۶۱)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے کہ حسین کے ساتھ قتل ہونے والی جماعت شیعہ
تھی اور اُن کے قتل کرنے والے اس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اُس
مذہب کے نام لہواتے تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے اُسکی فتح پر شکر ادا کر رہا ہو اور
وہ یزید کو امیر المؤمنین اور خلیفہ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

(۱۰)

شہدائے راہ خدا کے سر ابن زیاد کے حکم سے زحرین قمیس کے ساتھ ہیرام
یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد
دیتے ہوئے کہا کہ انا و اقوامی لرج بیان کرنا شروع کیا۔

البشر یا امیر المؤمنین بفتح الله ونصره رد علينا الحسين بن
علي في ثمانية عشر من اهل بيته وستين من شيعة فسرنا اليهم فسالناهم
ان يستلموا يدينا على حكم الامير عبيد الله بن زياد واتصال خلقنا وبرا الاتصال

على الاستسلام فعدونا عليهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من كل
 ناحية حتى اذا اخذت السيوف ملخذ لها من هام القوم يهريون
 الى غير وزر ويلوذون منا بالاكمام والمخفر لو اذا اكملنا اذا الحماهم من
 صفق فوالله يا امير المؤمنين ما كان الاجر جزوا ونومة قائل حتى
 اتينا على اخرهم فها تيك اجسادهم مجردة وثيابهم مرسله
 وخذودهم معفرة تصهرهم الشمس وتسفى عليهم الريح زوارهم
 العقبان والوخم -

"خوش ہو جیسے امیر المؤمنین خدا کی فتح و نصرت سے آپ کو معلوم ہونا چاہیے
 کہ حسین بن علی ہمارے سلمے آئے اور ان کے ساتھ اٹھارہ آدمی ان کے طبیعت
 میں سے تھے اور ساٹھ آدمی ان کے شیعوں میں سے ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو
 وہ تابع فرمان ہو جائیں اور امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کو تسلیم کر لیں اور یا جنگ
 کریں۔ مگر ان لوگوں نے جنگ کو اختیار کیا، آفتاب نکلا ہی تھا کہ ہم انکی جنگ
 کے لئے چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ جب انکے
 سروں پر ہماری تلواروں نے پورا قابو پا لیا تھا تو انکی یہ حالت تھی کہ وہ چاروں
 طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔

رجتنا چاہے ظالم جھوٹا بولے، امیر شام کا دربار ہے اور زبان تیرے دہن
 میں اور کوئی ٹوکنے والا موجود نہیں!

لیکن کہیں بپاہ نہ ملتی تھی اور وہ بہاڑیوں اور گڑھوں میں چھپتے بھر رہے تھے اسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے چھپتے پھرتے ہیں، خدا کی قسم اسی طرح المؤمنین بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے قصاب گو سفند کو ذبح کرے یا دوپہر کو کسی کی آنکھ لگا کر کھلبجائے کہ ہم نے انکی پوری جماعت کو کاٹ کر ڈال دیا، اب یہ منظر آپ کے پیش نظر ہو کہ انکے جسم پر ہنہ پڑے ہیں۔ اور انکے کپڑے خاک میں اٹے اور انکے رخسار مٹی میں بھرے ہیں آفتاب پوری تمازت کے ساتھ ان پر چمک رہا ہے اور ہوا کے جھونکے مٹی اڑا کر ان پر ڈال رہے ہیں اور طائران ہوا انکے گرد جمع ہیں۔

طبری کے راوی کا بیان ہے۔ "اگرچہ ہم کو اس کا یقین نہیں کہ اس دل دوز مرقع کا تصور کر کے نزدیک کی آنکھوں میں آنسو بھرائے (ص ۲۶۱)"

اب حنیفہ دینوری کی کتاب الاخبار الطول ص ۲۵ اور میری کی کتاب حیرۃ الحیوان ج ۱ ص ۵۲ میں بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہاں اسکی شمر بنی العجش کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دراز قیاس نہیں ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ "ستین من شیعۃ" یعنی حسین کیا تھا اٹھارہ انکے اہلبیت اور ساٹھ انکے شیعہ تھے، اب تو معلوم ہوا کہ حسین کے قدم پر اس ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے جان بیکار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر المقداد جماعت کہ جو قتل حسین کے لئے جمع ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

(۱۱)

قتل حسینؑ کی خوشخبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجی جا رہی ہے جن میں سے عبدالملک بن ابی اہکارث سلمیٰ قاصد بنا کر مدینہ بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اُس موقع پر مدینہ کا حاکم تھا اس واقعہ کی خبر کرے،

قاصد پہنچا اور حاکم مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا، اُس نے کہا کہ اچھا جا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبدالملک ناقل ہوا۔
 قلم اسمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ہاشم فی دورہن علیٰ ابن
 "میں نے آج تک ایسا کرام نہیں سنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھروں
 کے اندر حسین پر کرام برپا ہو گیا تھا۔"

یہ دیکھ کر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر مثلاً بڑھا۔
 عجت نساء بنی زیاد عجت کعبیہ نسا غدا الارنب
 یعنی آج ان عورتوں کو اسی طرح روزا پڑا رہی جیسے ہماری عورتیں ایک وقت میں روچکی ہیں
 پھر کہا کہ ہذہ واعیۃ بواعیۃ عثمان بن عفان۔

یہ کرام بدلے میں ہر اُس کلام کو جو عثمان بن عفان کے قتل سے ہوا تھا اظہر ص ۲۶
 ان بے خبر دنیا چند روز کے لئے ہنسا رہی ہر تو منس لے لیکن یاد رکھ کہ اس کا
 نتیجہ سر کپڑے رونے کے سوا کچھ نہیں، عثمان کے خون کا بدلہ حسین سے !

اچھا یون ہی سہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد ان کے قاتل پھلے بھولے
اور ایک طویل عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر کی لیکن حسینؑ کے قاتل چند ہی روز
میں اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہیگا۔

یہ ہیں مسلمہ تاریخی شہادتیں جو قاتلان حسینؑ کے مذہب کی ترجائی کر رہی ہیں
ان کو شیعہ کہنے والے سلمے آئین اور نکالہ الدین طبری میں سے ان اور اراق کو جو
قاتلان حسینؑ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہیں اور دریا برد کردین ان تاریخون کو جو انکی
ہم زبان ہیں اسوقت بے شک یہ جرات کرنے کا موقع ہے کہ وہ پھر کہیں "قاتلان
حسینؑ شیعہ تھے۔"

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر دماغوں میں گردش کرتا ہو کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب کہتے تھے
کیونکہ وہ حمل و صفین و نہروان میں حضرت علیؑ کے شریک جنگ اور معاون و ہمدرد تھے
اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے تکلیفیں پہنچیں وہ شیعوں کی سیاہ
کاریاں ہیں اور حضرت امام حسنؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی انہی کے ہاتھوں
اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور اسکی سند میں حسب ذیل حوالہ
پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا

لا یغریک اهل الکوفة فانهم اصحاب ابیک الذین یمنی فراقهم بالمو
او القتل۔

”اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیے کیونکہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب ہیں
جنہیں بذریعہ موت یا قتل وہ جدائی کے متمنی تھے۔“
(۱۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”اگر تمہارے دگرگون کیند و عہد شکنید و جل بیت از گردن فرزندہم
بجان من کہ از شما شکفت نہ باشد چہ باید من علی و برادر من حسن و بصر عم من سلم
جز این نہ کرید۔“ (ناسخ التواریخ)

(۱۳) محمد حنفیہ نے جب مکہ میں امام کسفر عراق سے منع کرا جا ہا تو کہا ”اے برادر
جو کچھ غدر و مکر اہل کوفہ نے آپ کے پدر و برادر کے ساتھ کیا آپ جانتے ہیں،
میں ڈرتا ہوں کہ میں آپ سے بھی اسی طرح سلوک کرین (جلال العیون)

لیکن مندرج ذیل دو تہیجوں کے بعد یہ پوری تقریر پاور ہوا ثابت ہوتی ہو۔
(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونیوالوں نے
آپؐ رسولؐ کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے
تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ الرابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا
کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب آنا واضح ہے کہ جس کے لئے کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دو مین چوتھے ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ والے لوگ خواہ وہ کوفہ کے ہوں یا غیر کوفہ کے اکثر و بیشتر اسی حیثیت سے آپ کی اطاعت کا فرض ادا کر رہے تھے اور یہ امر اصول مذاہب کے علم کا بدیہی مسئلہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے متعلق جو تھے نمبر پر خلافت کا اثر اشیعی جماعت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ سواد اعظم کا طرہ امتیاز ہے۔ اسکے بعد حضرت علیؑ کو اپنے صحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوسناک صورتیں پیش آئیں ان کی ذمہ داری شیعی جماعت پر عائد کرنا سہیجی نا انصافی ہے۔ درحقیقت اگر علیؑ یا امام حسنؑ کو شیعوں کی جماعت ملتی یعنی وہ کہ جو علیؑ کو ان کے حقیقی مرتبہ کے ساتھ پہچانے ہوئے تھے تو ان کی اطاعت و جان نثاری کی صورتیں مختلف ہوتیں۔

اب ہمارے اس بیان کی روشنی میں اگر ان فقرات کو ایک مرتبہ دوبارہ پڑھو کہ ولا یغرنک اهل الکوفة فافهم اصحاب ابیہ آپ اہل کوفہ سے دھوکہ نہ کھائیں یہ وہی آپ کے والد کے اصحاب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ تو تھیں نتیجہ بالکل عکس نظر آئیگا اور معلوم ہوگا کہ کوفہ میں اکثریت اس مذہب کے لوگوں کی تھی جو حضرت کو چوتھے نمبر پر جان کر حضرت کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔

اب کہنے دو قاضی نور الدین شوستری کو کہ "تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل
نذار و دینی بودن کو فی الاصل خلاف اصل و محتاج بدلیل است" یہ انکا ذاتی
خیال ہے جسکے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

اور پھر وہ اہل کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف
پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے قاتلان حسینؑ کے مذہب پر کافی اداۃ قائم
کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انکو شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اسکے بعد اصل کی
آڑ بچرنا بالکل بے اصل ہے۔

شیعیان کوفہ کی قتل حسینؑ سے تعلق

کوفہ میں جماعت شیعہ کی تعداد اہل کوفہ کے خطوط اور
راہے عام کی نوعیت حضرت مسلمؑ کی شہادت اور انقلاب
کوفہ کے علل و اسباب جماعت شیعہ کی بیگناہی و اس پر
تاریخی نصوص شہادات

قتل امام حسینؑ کا الزام اس جماعت اہل کوفہ پر عائد کرنا جو امام حسینؑ کی حقیقت
بلائی والی تھی اور یہ کہنا کہ وہ شیعہ ہی تھے واقعت سے کوسوں دور ہے اور اس
خیال کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ صحیفہ تاریخ کا چند ورق
پہچے سے الٹ کر مطالعہ کیا جائے۔

شیعہ کہ جنہیں مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جاسکتا ہے انکی تعداد ابتداء ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیت کا دم بھرنے والے اور اولاد ابوسفیان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو عداوت خلافت سمجھنے والے جنہیں اُس زمانہ میں شیعہ علی اور شیعہ اہلبیت کہا جاتا تھا انکی تعداد کافی تھی۔

گذرا ہے ایک وہ زمانہ کہ جب کوفہ شیعیان اہلبیت سے جھلک رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا مالک اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا وہ شیعہ ان کو ذہ پر ظالم کے پاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی جوڑی جھکی زمین ابتر تنگ ہو گئی، اُن کا ہر نفس آئندہ آنیوالے خطرات کی پیشین گوئی کرتا اور ہر قبیحہ زمانہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابو الحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

كان اشد الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة لكثرة من جها من شيعة علي فاستعمل عليهم زياد بن سمية وضم اليه البصرة فكان يقتل الشيعه وهو بهم عارف لانه كان منهم ايام على فقتلهم تحت كل حجر ومدروا خافهم وقطع الايدي والارجل وسمل الصغار وصلىهم على جذوع الخيل وطردهم وشردهم عن العراق فلم يبق بها معروف منهم۔

معاویہ کے دور حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے اسلئے کہ وہ ان شیعیان علی کثیر تعداد میں موجود تھے وہاں کا حاکم بھی زیادہ دین سمیہ مقرر کیا گیا اور اُس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ انکو بچا پاتا بھی خوب تھا کیونکہ علی کے زمانہ میں وہ انھیں لوگوں کے ساتھ تھا، اُس نے ان کو جہان پایا قتل کیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے اور آنکھوں میں سلائیان بھروائیں اور درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلا وطن کیا یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص اُنہیں سے باقی نہیں رہا (نصائح کافیہ ص ۷)

اس صورت حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ جماعت کے لئے کوئی نمایاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے کھچے اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاق قتل کی دساویر خیال کرتے تھے۔

مثل مشہور ہے کہ "ظالم کی رسی دراز ہوا کرتی ہے" زمانہ کے ورق الٹتے رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانہ تک ان سکیوں کا امتحان لینا منظور تھا صورت حال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی جس میں بچے جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے شیعیت ایک مخصوص بامعرفت اور صاف ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کے انہی بڑے

شہر میں گناہی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

روسائے عشار اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و باعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرواختہ اور اسکی خیر خواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ گروش و عقیدت کیش تھے۔

رہ گئی عام خلقت جس پر انقلابات کا دار و مدار ہوتا ہے وہ بلا استثناء ہر ملک میں اور ہر جگہ ”ہر کسے سکے زند خطبہ بنامش خوانند“ کے مطابق ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے۔

اُن میں ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔

اسکے نمونہ حکومتوں کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گذرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بیشک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب ہی تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر اُن کو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے۔

۱۹۱۱ء کے رجب کا مہینہ وہ تھا کہ جس میں امیر معاویہ نے انتقال کیا اور انکا

نامزد کردہ خلیفہ وجانشین اُن کا بیٹا زیر ہوا، ایسے ہی مواقع وہ ہوتے ہیں جو پرسکون فضا میں تہج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔ فطرۃً ہر شخص سابق فرمانروا کے بعد اپنے جدید والی سلطنت اور قسمت کرامت کی سابقہ زندگی اور اُسکے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں میں یہی چرچہ شروع ہو جاتے ہیں۔

زیرید کے اخلاق و عادات، اُسکی مے نوشی اور شہوت رانی، اسکی طفلانہ جوانی اور لہو و لعب میں سرگرمی، احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی برباری ایسی زخمی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آگیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو بوجھ بگچہ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے۔

یقیناً اس کا نتیجہ تھا کہ ایک عام بچی و مضطرب اور نفرت و بیزاری کا جذبہ بیندین میں پیدا ہو جائے اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کرن ہے جو اس آڑے وقت پر کام آئے اور اُن ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے کاندھے پر اٹھا کر امت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دے۔

اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشہور ہوئیں کہ حسین بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لئے مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آگئے مہینہ اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے۔

اسوقت شیعوں کی اس جماعت کو جو بیس برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزار و مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آچکی تھی اور ہر وقت وہہر آن حضرت احدیت کی جانب سے کشائش و نصرت کی منظر تھی اپنی مایوسیوں کی مدت سے چھائی ہوئی تار یک گٹھائیں امید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور ان کے ضمیر نے آواز دی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا اور اسوقت کا سکوت اپنے ہاتھ سے اپنی خودکشی کا مرادف ہوگا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن صرد صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے سن رسیدہ اور تجربہ کار سلیمان نے جو رسالتا ب کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔
 ان معاویۃ ہلک وان حسینا قد تقبض علی القوم ببیعتہ وقد خرج
 الی مکہ وانتم شیعۃ وشیعۃ ابیہ فان کتم تعلمون انکم ناصروہ ومجاہدو
 عدوہ فاکتبوا الیہ وان ختم الوہل والقتل فلا تغروا الرجل من نفسہ
 ”معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکہ معظمہ
 چلے گئے ہیں آپ لوگ ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں، اگر آپ اس بات کو یقین

رکھتے ہوں کہ انکی نصرت و مدد میں اور انکے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو ہم آ
 انکو خط لکھئے اور اگر سستی و کمزوری کا خون ہو تو برائے خدا ایک شخص کو فریب دیکر
 اسکی جان کو خطرہ میں نہ ڈالئے۔

الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے
 گرجتے برستے الفاظ سے وقتی جوش کو برا نگینتہ اور الفاظ کی طاقت سے رگون میں خون
 دوڑا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ مجمع سے خود انکے موجودہ جوش و دلو
 کی آخری تھاہ اور موقع اقدام عمل پر اسکی انتہائی کار فرمائی کا جائزہ لوانا چاہتے
 ہیں اور اسی کے ساتھ ان کو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کر دینا
 مقصود ہے۔ یہ امر فطری ہو کہ جذبات کی بڑائی کیلئے کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا
 اندازہ مشکل سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے جذبات سے استقلال
 کی تشخیص میں غلطی کرتا جاتا ہے۔ مجمع کے اندر انکے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ
 نے وہ کام کیا جو بانی کا چھینٹا اٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں میں۔ ایک مرتبہ سب
 بول اٹھے کہ ہمیں نہیں ہم یقیناً انکے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے تئیں حضرت
 کے قدموں پر تار کرینگے۔

یہ جمعیت کتنی تھی با اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عمارت
 تھمارت کے وسیع صحن کی رہیں منت نہ تھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں سے
 جن کے نمونہ آج تک عربستان میں نظر آجاتے ہیں ایک مکان یعنی سلیمان بن صرد کے

گھر میں مجتمع ہو گئی تھی۔

مذکورہ بالا سوال و جواب اور اس کے الفاظ میں بیشک صداقت کا جوہر نظر آ رہا ہے اور وہ بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہے ہیں لیکن وہ آئندہ ہنسوا ناگہانی انقلابات کا کھانا تک مقابلہ کر سکتے ہیں اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہے۔
سیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی، خط امام حسینؑ کے نام بدین عنوان لکھا گیا۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم

لحسین بن علی من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبة ورفاعة بن شداد وجیب بن مظاہر وشیعته من المؤمنین والمسلمین من اهل الکوفة اسکے بعد معاریہ کے انتقال پر اظہار مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ:-

انه ليس علينا امام فاقبل لعل الله ان يجمعنا بك على الحق
والنعمان بن بشير في قصر الامارة لسنا نجتمع معه في جمعة ولا نخرج
معه الى عيد ولو قد بلغنا انك قد اقبلت الينا اخرجناه حتى نلقاه
بالشام ان شاء الله والسلام ورحمة الله -

ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے لہذا آپ تشریف لائیے، شاید آپ کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہو سکیں اور نعمان بن بشیر دار الامارہ میں موجود ہے ہم اسکے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ عید گاہ جاتے ہیں، اگر ہم کو خبر معلوم ہو جائیگی کہ آپ تشریف لارہے ہیں تو ہم اسکو یہاں سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ والسلام

اس خط کو عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور یہ سب سے پہلا خط ہے جو امام کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔

جمعیت منتشر ہوئی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو پھیلا نا شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۲ عرصہ شہین طیار ہو گئیں جو ایک دو تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صید اوی اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارجی اور عمارۃ بن عبید سلوی کے ہاتھ روانہ ہو گئے، اس اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب جو زید کی خلافت کے باعث عام طور پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا ان حضرات کی مذکورہ بالا تجویز کا ہر طرف سے غیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی اس خیال سے نہ سہی کہ حسین تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال کو زید ایسے شرا بخوار و فاسق سے حسین بن علیؑ ایسی کامل و لائق ہستی یقیناً مسلمانوں کے لئے بہتر ہے اس تحریک کے گرمجوشی کے ساتھ موید نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر ان افراد کو جو حقیقت اس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور اب کامیابی ہمارے قدم سے وابستہ لیکن درحقیقت یہ فریب نظر تھا، عام خلقت کو اس تحریک سے ہمدردی ویسی ہی تھی جیسے آدمی کے رخ پر اڑتے ہوئے پرند۔

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں لعل اللہ ان جمعیۃ

کی لفظیں بیم ورجا اور اجتماع و اتفاق کا خیال توقع کی صورت میں ظاہر کر رہی تھیں اور باب آخری خطبہ زور الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور کامل اعتماد کا منظر ہے۔

لحسین بن علی من شیعته من المومنین والمسلمین اما بعد
فمئی هلا فان الناس ينتظرونك ولا رأی لهم فی غیرك فاعجل
العجل والسلام عليك۔

تشریف لائیے جلد اسلئے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے سوا کسی کی مات
تسلیم کرنے کے لئے آفادہ نہیں ہیں لہذا جلد ہی کیجئے جلدی و اشلام
اس خط کو ہانی بن ابی سعید اور سعید بن عبد اللہ خفی کے ذریعہ روانہ
کیا گیا تھا۔

اب تک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی کہی جاسکتی ہیں اسلئے کہ
ان میں جماعت شیعہ اور اس کے ذمہ دار نمایندے پیش پیش نظر آ رہے ہیں۔
اور وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بھی
بالکل آخری کہا جاسکتا ہے لیکن اسکے بعد ایک خط کوزہ سے جاتا ہوا نظر آئے گا
امام حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فقد اخضر الجنب وابتعت الاثمار وطمئت الاجام فاذا
شئت فاقدم علی جند لك مجند والسلام عليك۔

"کھیتیان املہا رہی ہین اور میوے دختون مین رسیدہ ہین اور تالاب
بریز ہین پس جب آپ جا ہین تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ
کے لئے آراستہ موجود ہے والسلام؟"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہین شیث بن ربیع حجار بن ابجریزید
بن حارث۔ زید بن رولیم۔ عزرة بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی۔ محمد بن
عمیرہ۔ ان تمام واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۹۱

ذرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کرو، اُن
خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع و ایمان کا حوالہ ہے، معاویہ و آل معاویہ
کے غصب خلافت کا تذکرہ ہے حسین بن علیؑ کے استحقاق امامت کا اعتراف ہو
لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اسکے علاوہ یہ سات آدمی اگر اُسی جمعیت کے رکن تھے جو امام حسینؑ کو دعوت
دی کی انہی تھیں تو اُن اجتماع میں خطوط میں ان کا کہیں نام کیوں نظر نہیں آتا باوجودیکہ
یہ لوگ کوئی گنہگار شخص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت
رکھتے ہین۔ ناممکن تھا کہ سلیمان بن صرد اور صیب بن نجبه اور رفاعہ بن شداد
اور صیب بن مظاہر ایسے محراب عبادت میں زندگی گزارنے والے بے اہم و رسم
اشخاص کا تو اس میں نام ہو اور یہ لوگ نظر انداز کر دیئے جائیں۔ پھر جبکہ مکٹبی
ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں پرزور الفاظ میں تعمیل کی درخواست

تھی تو اب ان اشخاص کو اس انفرادی کتب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟
 اور پھر میری قوتِ شامہ کو تو اس خط کے طرزِ تحریر اور اس کے الفاظ سے بھی
 کوئی خلوص و محبت کی بوحسوس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اس کے مجھ کو اس کے اندر
 استہزاء و تمسخر کا جو ہر کارفرما نظر آ رہا ہے۔

آخر حسین کو لہلہاتی کھیتین سے کیا کام اور رسیدہ میوون سے کیا غرض
 اور لبریز تالابوں سے کیا مطلب؟ پھر اس میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کی
 خواہش کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے نہ آنے کو آپ کی مشیت پر محول کر کے ایک
 خبرِ سانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ طیاریاں ہو گئی ہیں جب آپ کا دل چاہے
 تشریف لائیے۔

ان وجوہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اشخاص کو اس جماعت سے کہ جو شیعوہ
 کہی جاسکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یہاں توجیب دیکھا کہ خطوط اس قدر جا چکے ہیں کہ
 امام حسینؑ ضرور ہی ان کے مطالبہ کو پورا کر کے تشریف آوری عراق کا ارادہ کر لیں گے
 اور موجودہ صورتِ حال کی بنا پر ان کو کامیابی بھی حاصل ہوگی۔ تو ہم بھی ہیں باخپوں
 سواروں میں کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کر لیں جائیں
 اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جس کے توقعات قائم ہو چکے ہیں ہم سے بدظنی
 نہ پیدا ہوگی اور یا اس کے اندر کوئی باطنی سازش مضمر تھی جس کی بنا پر ہمتفہ
 طور سے یہ خط لکھا گیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہو کہ اُن خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعتِ شہید کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کر بلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی بلکہ اُنہیں سے حبیب بن مظاہر نے کر بلا میں امام حسینؑ کے قدموں پر جان بازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لئے سرخروئی حاصل کی اور اُن شخص میں سے جو خطوط کے لیجانے والے تھے سعید بن عبد اللہ خفصی نے اس طرح جان نثار کی جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔

نہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور خونخوار دشمنوں کا لشکر امام حسینؑ کے نزدیک پہنچ گیا اس وقت یہ جان باز امام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور جو تیر حسینؑ کی طرف آتا تھا اسکو اپنے سینہ پر روکتا تھا، آخر اتنے تیر پڑے کہ وہ جان نثار مرد ہو کر زمین پر گر پڑا (طبری ص ۲۵۲)

اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن جریج روز عاشورا امام حسینؑ سے اجازت لیکر میدانِ قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

صبر اعلیٰ الایمان والاسنة صبر اعلیٰھا لدخول الجنة

پھر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص ۸۷)

اور قیس بن مسهر صید اوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس وقت استقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا اُس کا تذکرہ صفحہ تاریخ پر زرین حروف میں ہمیشہ ثبت رہے گا۔

اسوقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرثہ سے اہل کوفہ کے نام خط دیکر انکو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادیسیہ میں ناکہ بندی پر مقرر تھایہ گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اس نے حکم دیا کہ قصر دارالامارہ پر جا کر حسین بن علی کے بارے میں کلمات نازیبا استعمال کریں، یہ موقع تھا جسکو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جا کر بلند آواز سے کہا

ایہا الناس ان هذا الحسین بن علی خیر خلق اللہ ابن فاطمۃ بنت رسول اللہ وانا رسولہم الیکم وقد فارقتہ بالحاجر فاجیبوہ۔

"سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ و فاطمہؑ اسوقت خلق خدا میں سب سے افضل و بہترین اور وہ مقام حاکم پر پہنچ چکے ہیں، میں انہی کا بھیا ہوا ہوں اب تم سب انکی آواز پر لبیک کہو؟

یہ لفظیں ختم ہوئی ہی تھیں کہ ابن زیاد کے حکم سے انکو قصر دارالامارہ کی بالائی سطح سے نیچے گرا دیا گیا اور اس شہید راہ خدا کی ہڈیاں سرمہ ساہوگین (طبریؒ) ان خطوط کے لکھے دے شیعہ تھے اور انکی برادرت قتل حضرت سید الشہداء سے

یقینی طور پر ثابت ہے۔

برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے پانچ شخص ثبت بن ربیع اور حجار بن ابجر اور مرزہ بن قیس

اور عمرو بن حجاج زبیدی اور زید بن حارث مسلمان واقعہ کربلا میں موجود اور
قتل امام حسینؑ میں شریک تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر
نہیں آتے لیکن قرائن کی رو سے قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنے
ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت
کر دیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی
بنیاد پر انکا جماعت شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔
امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط کو دیکھ کر احتیاطی تدبیر یہ
لی کہ مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جس میں
لکھا تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من حسین بن علی ابی الملائم المؤمنین والمسلمین اما بعد
فان هانئا وسعيدا قد ما على بكتبكم وكانا اخر من قدم على من سلم
وقد فهمت كل الذي قصصتم وذكروتم ومقالة جلكم انه
ليس غايانا امام فاقبل حمل الله ان يجمعنا بك على الهدى
والحق وقد بعثت اليكم اخي وابن عمي وثقتي من اهل بيتي

وامرقدان یکتب الی بھالکم وامرکم را یکم فان کتبتی انه
قد اجمع رأی ملاکم وذوی الفضل وانحی منکم علی مثل
ما قد مت علی بہ سسلکم وقرأت فی کتبکم اقدم علیکم
وشیکان شاء اللہ فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب
والاخذ بالقسط والداین بالحق والحابس نفسه علی ذات اللہ
والسلام۔

بانی اور سید تمھارے خطوط کو لیکر پہنچے، اور یہ دونو شخص تمھارے
سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں، میں نے جو کچھ تم لوگوں نے
لکھا تھا اسکو غور سے پڑھا اور سمجھا، تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے
سر پر کوئی امام نہیں آپ آئیے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کر دے،
اچھا تو اب میں تمھاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد
عزیز قریب نوروانہ کرتا ہوں اور انھیں حکم دیدیا ہے کہ وہ مجھ کو تمھارے حالات
و خیالات سے مطلع رہیں، اگر انھوں نے لکھا کہ تمھاری جماعت اور اہل حل عقد
انفرادہ نے اتفاق کر لیا ہے اس امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے تو
میں عنقریب تمھاری طرف آتا ہوں اور امام کے کوئی معنی نہیں سوائے
اس شخص کے جو کتاب الہی پر عامل اور عدالت کا بایستہ اور حق کا تابع اور
اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقت کئے ہوئے ہو اور اسلام پر طبری صلا و صلوات

آخری لفظوں میں درحقیقت خط لکھنے والوں کے عقیدہ تشیع کی لطیف عنوان سے اصلاح ہے، انکا تشیع حقیقتہً صرف محبت اہلبیت اور انکے مقابلہ میں دوسروں کو ناقابل حکومت و خلافت سمجھنے تک محدود تھا لیکن معارف صحیحہ اور عقائد حقہ جو فرقہ شیعوں میں بحکم عقل و تعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلم حیثیت رکھتے ہیں وہ انکی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ پیش پیش نظر آتا ہے کہ لیس علیہ السلام "ہمارے سروں پر کوئی امام موجود نہیں" حالانکہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلوں میں موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج و لشکر و تاج و تخت کی محتاج نہیں اور وہ اب نہیں بلکہ دس برس پیشتر سے حسین بن علیؑ کے لئے محفوظ ہے، وہ اسکی محتاج نہیں ہے کہ حسینؑ انکی جماعت میں آکر اُن کی نصرت حاصل کریں اور اُنکے اتفاق و اتحاد سے فائدہ اٹھائیں تب امامت کا انعقاد ہو۔

امامؑ نے اپنے اس جملہ میں کہ ما الامام الا العامل بالكتاب الخ انکو حقیقت امر پر مطلع فرمایا ہے "کتاب الہی بر عامل و رعداالت کا پابند اور اپنی ذات کو ہر حرکت و سکون میں لازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے" اسی تفصیل کا اجمال اور اصطلاحی مفاد "معصوم" ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لئے کسی قہر و غلبہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہر حال

امام ہے۔

یہ تو حملہ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لئے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے جو کوفہ کی رائے عام اور وہاں والوں کے حالات و خیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کر کے حضرت کو اس سے مطلع کریں۔

حضرت مسلم کے ورود کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات قلمبند کئے ہیں انکی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے گھر میں اترنے کی ضرورت نہ تھی^{۱۵}

جبکہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روح روان اور قائد اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ موثر اور بااقتدار تھے جسکی تصدیق ان الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسینؑ انتقامی تدابیر پر غور کرنے کے لئے

۱۵ مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتب مقاتل میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں ۱۲

جمع ہوئے ہیں اور سیب بن نجبه نے صورت حال کو پیش کرتے ہوئے کسی رئیس کے انتخاب کی تحریک کی ہے۔ اسوقت رفاعہ نے کہا۔
 ان سلامت و رأی اصحابنا ذلک و لیکننا هذا الامر شیخ
 الشیعة، صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ و
 ذال السابقہ و القدم سلیمان بن صرد المحمود فی باسہ و دینہ
 و الموثوق بحزمہ۔

”اگر سب کی رائے ہو تو ہم اس مہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان بن صرد کے سپرد کرین جو شیخ الشیعہ اور رسالتاٹ کے صحابی اور ہم سب پر مقدم اور کار ہائے نمایان کیے ہوئے شخص ہیں، جنکی شجاعت و دیانت و دنون قابل تعریف و ثنا اور موقع بینی و آزمودہ کاری محل طہیان ہے (طبری جلد ۷، ص ۱۲۸)

انکی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو انہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا اور پھر مسلم کے دوران قیام میں اسوقت کہ جب حالات سازگار تھے اور لوگ بیعت کے لئے ٹوٹے پڑے تھے و ان بھی سلیمان کا کہیں پر تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی دعوت پر پہلا جوا اجتماع ہوا اس کے مقررین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں ہے حالانکہ عرب کی سابقہ و حال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر موجود ہوتے تو سوائے لکے

کسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا حق نہ تھا۔
 اور اگر سلیمان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے
 پہلو تہی کرتے تو سلیمان کی نمایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ
 اہمیت کے ساتھ مندرج نظر آتا کہ سلیمان ایسے شخص نے مسلم سے بوقت ورود
 ہی صلح کی اختیار کی اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو
 اس تلخ تجربہ کے بعد اہل کوفہ کی وفاداری اور ثبات قدم و استقامت
 کے متعلق وہ خوش گوار توقعات قائم نہ ہوئیں جنکے باعث وہ امام حسینؑ
 کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں تشریف لائیں۔

حضرت مسلم نے مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر قیام کیا اور جن جن
 اشخاص کو اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل
 کرنے کے لئے آتے گئے۔ جب کافی مجمع ہو گیا تو مسلم نے امام کا خط جو جہت
 شیوہ کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر
 ہوئے اور عابس بن ابی شیبہ خاکی نے کہڑے ہو کر حمد و ثنائے الہی کے
 بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

انی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسہم وما
 اغترک منهم واللہ احدًا تک عما انا موطن نفسی علیہ واللہ
 لا حینکم اذا دعوتکم ولا قاتلن معکم عدوکم ولا ضربن بسیفی

دونکم حتی القی اللہ لا ارید بذلک الاما عند اللہ۔

"مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہار خیال کا حق نہیں اور نہ مجھے معلوم ہے کہ اُنکے دلوں میں کیا ہے اور نہ میں اُنکی طرف سے وکالت کر کے آپ کو فریب میں ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں وہ ظاہر کرتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھکان لیا ہے۔ خدا کی قسم میں جسوقت بھی آپ دعوت و سیکرلبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور آپ کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور آپ کے سامنے شمشیر زنی کروں گا یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا مقصد اس سے سوائے جزائے اخروی کے کچھ نہ ہوگا۔" یہ تقریر ختم ہونا تھی کہ حبیب بن مسطام ہر کھڑے ہو گئے "مرحبا جزاک اللہ کتنی مختصر لفظوں میں تم نے اپنے ذاتی خیالات کو واضح کر دیا۔" پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کر کے "خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عباس بن ابی شیبہ نے اپنی لفظوں میں ادا کیا۔" ایسی ہی لفظوں میں سعید بن عبد اللہ حنفی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا۔

خط کے مضمون کی بناء پر اس کا روایتی کام مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و بیان اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ لوگ مسلم کی معاونت کرینگے اور نہ اسوقت یہ وہم و خیال

کسی دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز میں تنہا مسلم کے مقابلہ میں فوج کشی ہوگی اور اس لئے اس تمام جماعت کو طیار رہنا چاہیے بلکہ یہی عہد و بیان صرف امام حسینؑ کی تشریف آوری کی پیش نہاد اور اس موقع کے لئے ان لوگوں کے عزائم و نیت کے اندازہ کے لئے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہو گئی اور اس فضا کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسینؑ کو دعوت کے متعلق ابتدا ہی سے کوفہ میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کے اسباب و مضاحت کیساتھ درج کئے جا چکے ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا بقول شخصے خلقت بھیڑ یا دھسان ہوتی ہے، عبدہر ایک چسلا اُدھر سب، یزید کی خلافت سے بسبب اسکی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف، حسینؑ بن علیؑ کی ہر دلعزیزی نہ مذہبی نقطہ نظر سے بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ سے دوسری جانب وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے انکی ذاتی وجاہت و تعلقات تیسری جانب اور "کل جدید لذیذ" کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت یا جذب ہوتا ہے وہ چوتھی جانب، ان تمام باتوں کا کمر یہ نتیجہ تھا کہ جتنے مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر اٹھارہ ہزار کوفین نے بیعت کی۔ لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے یا کیا کوفہ میں زیاد و آل زیاد کی بیسیں سال

حکومت کے بعد جس میں کھینچی ہوئی گوارین اور جلا دون کے ہاتھ برابر
اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پاسرو زبان کے قطع و برید کا سلسلہ
برابر جاری رہا کوفہ میں بیس ہزار کی اتنی تعداد میں شیعہ موجود ہو سکے تھے
اور جب یہ نہیں تو کیا مذکورہ بالاسطی عارضی اسباب سے جو رائے عام
ہموار ہوئی ہو اُس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟
بیشک جب اس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی
نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی حالانکہ وہ یہیں کے رہے سے پروردہ اور
تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنھیں اس شہر کے حالات کا تجربہ
بھی مائل نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابل تعجب نہیں ہو
مسلم کی تحریک کو چلانے والے۔ اُنکی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے
والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جانبازی کا اقرار کرنے والے اور
رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و بیعت پر آمادہ کر نوالے بیشک
سب شیعہ تھے اور اُنکا کام ہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق
بنادین جس میں اُنکو خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن آئندہ کے انقلابات کوئی
دوسری صورت پیدا نہ کرینگے اسکی ذمہ داری انیر عائد نہیں ہو سکتی بیشک انھوں
نے اپنے اقرار و وفا اور عہد جانبازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا۔
اُسے کر دکھایا جسکے مشاہدہ کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیئے۔

مسلم بن عقیل کو حالات امید افزا نظر آ رہے ہیں، امام حسین کو خط بھی لکھ دیا، کہ کوفہ آب کے ساتھ ہے تشریف لائیے۔ مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے انکو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے جسکی بنا پر وہ اپنی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔

کوفہ میں یہ خبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسین بن علیؑ تشریف لانیوالے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص جیل جیل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ جماعت جماعت لوگ بیٹھ کر اس مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہیں اور حبشیوں کے ساتھ دیدہ براه ہیں لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملادینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنھیں حسینؑ بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموال خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہیگا، انہی کی جانب سے تحقیق کا یہ رویہ ہے کہ یہ کون سے حاکم حال کو مغرور کر کے ایک مدبر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا اور وہ ان قرعہ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا، عبید اللہ کوئی اور نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور معاریہ کا ایک معنی سے بھتیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مسکاری و غداری کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل و حرکت

کو بالکل صیغہ راز میں رکھتا کہ اُس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور پھر راستہ میں جبکہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع میں تیسرے پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اُسی طریقہ سے جو عرب قوم کے بہادر و نرین سخت موقعوں پر مرسوم ہے ایک ڈہانٹا باندھ لیا جسکی بنا پر شناخت ناممکن ہو گئی۔

ایک مرتبہ شہر پناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر ایک رئیس قوم پورے وقار و حکمت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشرف عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین و لجام ساز و سامان سے آراستہ اس حشم و خدم کو دیکھ کر اُن توقعات کی بنا پر جو قائم تھیں وہی ہونا چاہیو تھا جو مولیٰ یعنی ہر شخص ہی سمجھا کہ حسین بن علیؑ تشریف لائے ہیں اور اُس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دلون میں تھا جس جماعت کی طرف سے عیب و اسد کا گزر ہوتا تھا وہ بنظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجالاتی تھی اور "خوش آمدید" کے معنوں میں یہ الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ مرحبا بلکہ یا ابن رسول اللہ

وَلَا مَتَّ خَيْرٌ مَّقْدَمٌ

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا، چہرہ کو بغور دیکھتا، شکل و شمائل کو بچا پتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور

لوگ اشتیاق میں گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص بخیال خود فرزند رسول
کی زیارت کے تئیں آگے بڑھنے لگا اور نوبت یہ پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ
پیدا ہوئی اسوقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا پکار کر کہا
تاخروا ہذا الامیر عبید اللہ بن زیادؓ راستہ چھوڑو، یہ حسینؑ
نہیں امیر عبد اللہ بن زیاد ہیںؓ

نہ معلوم ان الفاظ میں کونسا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے
ہاتھ اور سرست آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے اور سناٹا سا چھا گیا۔ مجمع بھی
ترتیر ہوا اور حبوقت ابن زیاد دارالامارہ میں پہنچا ہے۔ تو دشمن
آرمیوں سے زیادہ اُسکے ساتھ نہ تھے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲)

اب ذرا فطری رجحانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ باطنی
اضطرابات کا اندازہ کرو، ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت
سے ظہور پذیر ہو وہ خود سنسنی پیدا کر دیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورت حال
کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے خلاف جاسوسی کے فرض کو ادا کیا یعنی
اپنے باطنی خیالات و جذبات اور حسین بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کو خود
ابن زیاد کے سامنے بوقت درود پیش کر دیا، اور ابن زیاد نے صاف ایک
ایک کے چہرہ اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور پھر ابن زیاد وہ ہے کہ جسکی
اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنیں

اس طرح غم رہی ہیں کہ جس کو چاہا گرفتار کیا سولی پر لٹکا دیا یا جلاد کے ہاتھ سے اس کی رگ گردن کو قطع کر دیا اور ایسے ہیبت ناک مناظر انھی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں جنکو سوچ کر اب تک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہل جاتے ہوئے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنے اولاد اور اعزا و اقارب کے لئے پیش نظر ہیں، کیا یہ وجوہ ایسے نہ تھے جن کی بنا پر دل و دماغ معطل تو لے عمل سلب اور طاقتیں مضحمل اور بہتین بےست ہو جاتیں اور دلون پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا عربستان میں اب تک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھ کو نہیں معلوم دوسری ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے یا نہیں کہ بڑے شہروں میں ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہو جو اس محلہ کی مردم شماری، وارد و صادر، زائیدہ و مردہ شادی شدہ و غیرہ شادی شدہ وغیرہ امور کے تشریحات کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہو اور اگر کوئی شخص اس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہیں مفرد ہو اس کی جواب دہی اس سرکاری کی ضمانت بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ابن زبیر: یہ جامع میں ایک تدریدی تقریر کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلات کو ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت یعنی بخاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ نووارد ہیں ان کی فہرست اور جن لوگوں سے

حکومت شام کو خطرہ ہے اُنکے نام ادارہ حکومت محلیہ میں پیش کر دیجو جائیگا
اور اگر وہ کسی وجہ سے اُن ناموں کے تفصیل وار لکھنے سے معذور ہوں
تو ضمانت داخل کریں کہ اُنکے محلہ میں سے کوئی شخص بھی حاکم شام کی مفت
پر آمادہ نہ ہوگا اور اسکے خلاف ظاہر ہوا تو اس مختار محالہ کو خود اس کے
گھر کے دروازہ پر سولی دی جائے گی اور اُسکے خاندان سے ہمیشہ کے
لئے اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائیگا۔ (طبری ص ۲۱۰)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو، کوفہ کا چپہ چپہ
جو آئیس و مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے ایسے
سخت قانون میں وہ تنہا ہی طاقت نہیں جو اس صورت سے پیدا ہوئی اسلئے
کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے دڑتا
جھپکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا تھا اور اس طرح بس آدمیوں
بانیج آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی تشریف
طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورت حال کے بعد کوفہ کی رائے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب
امر نہ تھا جبکہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت میں جنہوں نے بیعت کی تھی سب
کے اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما نہ تھی جو اذکو سخت موقع کے لئے اپنی
جان کو خطرات میں ڈالنے پر استقلال سے آمادہ رکھتی بلکہ اُس جم غفیر کے

اتفاق و اجتماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے
یہ ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرہ کا اندازہ اور
مقصد کی باہالی کا احساس ہوا، اب انکا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ
وہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر جان تک مقدور ہوا بنے تحفظ
کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں، اسکے لئے انھیں مختار بن ابوعبیدہ
کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا اس لئے کہ انکا قیام
وہاں مشہور ہو چکا تھا اور پھر اگر کوئی وقت آئے تو وہاں ان کی حمایت
کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا، مختار بن ابوعبیدہ شریف قوم سی لیکن صرف
ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور
بھروہ خود آنے والے واقعات سے بخبری کی حالت میں چند روز سے اپنے
موضع پر گئے ہوئے تھے۔
(طبری جلد ۵، ص ۵۸)

لہذا مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر معلوم
طریقہ پر ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہانی کی تائید حاصل
کر لینا مسلم کے لئے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلہ مراد وندج
کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہمارا
رکاب چلتے نظر آتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر خطا ہری اسباب کی بنا پر پانچویں بار ہزار شمشیر زن بہادر و ن کی آغوش میں ڈال دیا ہے کہ جو ان کے حفظ جان و آبرو کی بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوائے مخصوص افراد کے جو محل اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افراد شیعہ کو جو اس تحریک کے بانی تھے اپنی ناکامیابی کا بھیاں کہ منظر سامنے نظر آ گیا تھا لیکن وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن سے صورت حال کی اصلاح ہو سکے چنانچہ مسلم بن عویسہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص اور وکیل عام تھے کہ وہ آپ کی جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہمدردی حاصل کرین اور ان سے امام حسینؑ کی بیعت لین اور ابوشامہ صائدی امانت دار اینٹرا نجی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اموال جمع ہوں ان کو اپنی تحویل میں رکھ کر اپنی صوابدید سے سلاح جنگ وغیرہ خرید کرین۔

مقتل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و زور کے ساتھ اظہار تشیع کر کے مسلم بن عویسہ سے حضرت مسلم کے جائے قیام کا پتہ لگایا اور ابن زیاد کے پاس سراغ رسانی کی جس بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو ان تحفظات پر جو انھوں نے مسلم بن عقیل کے اخبار میں
 کر لی تھیں کامل اعتماد تھا اور اسی غور کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی
 پیغام پر ان کے دل میں کسی قسم کا خطرہ نہ گذرا اور نہ انھوں نے اس موقع پر
 اپنے بارہ ہزار جوانوں میں سے کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی
 ضرورت محسوس کی بلکہ خود تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے راز منکشف
 تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقرار کے بعد اپنے مہان کو حوالہ کر دینے
 سے انکار مشتعل کن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سر دچھرہ
 خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیج دیے گئے
 سردار نبی زبید عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا
 اسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ مدح کے بہت سے
 زندہ پوش سوار لیسکر دارالامارہ پر چڑھ دوڑا اور تلواروں کی جھنکار
 گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا
 کر دیئے لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فہمائش اور اس کہنے سے کہ
 ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند
 کر دیئے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا، انکا پناہ دینے والا
 وفادار اور مستقل مزاج ہا در ہانی بن عروہ ان کی وجہ سے زد و کوب

کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں ہے اور
مسلم کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں "یا عثرتا ہ یا شکلاہ
کہکرنالہ و شیون کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف سے کہ
یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں
جا کر مخفی ہو جاتے؟ لاوالہ! غیرت نبی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انھوں نے
یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں تو بھر میں بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ لم یکن خروجہ یم خرج
علی میعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ہانی بن عروہ
المرادی قد ضرب و حبس "مسلم کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے
ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق
نہ ہوئی تھی، وہ تو ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہو گئے جب اُن کو
معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی کو زود کو ب کے بعد قید کیا گیا ہے۔
(طبری جلد ۵۸، ص ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں
جاسکتی کہ وہ ۸۰ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد
جمع ہو جاتے اور جنگ میں اُنکے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جب کہ

کوفہ کے محلہ بھی ایک دوسرے کے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ ہاں یہ محلہ کہ جس میں مسلم کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اُسی کے اطراف میں مسلم کے گرد اگر دو چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جو بھی "یا منصور سامت" کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے سے قرار داد کے مطابق انکا شعار یعنی امتیازی نعرہ جنگ تھا تو اُس وقت شرمشرمی وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اُس محد و د وقت میں جبکہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے لئے تیاری کر سکے ہونگے اسکا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دارالامارہ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جاہت کو لئے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا، رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور ظہر سے شام تک برابر زور و غور دھوتی رہی۔

موجودہ جمعیت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک ہے

درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی روح شیوخ و اشراف قبائل ہیں کہ جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق حکومت وقت کے ہوا خواہ اور پابند فرمان ہیں اور ابن زیاد نے بروقت پیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ و اشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ ان سے حسب موقع کام نکالا جا سکے اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناکہ بندی کرادی یعنی چار راہوں اور عام راستوں پر پیرے بٹھلا دیئے کہ کوئی مسلم کی مدد کو نہ آ سکے اور صورت واقعہ کی بناء پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اتکا دکان جیسو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی معیت میں مسلم کے ساتھ شرکت کے لئے آتا اور وہ فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ چنانچہ عبداللہ بن زید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لئے ہوئے آ رہا تھا جس کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محمد بنی عمارہ کی طرف سے عمارہ بن صخب ازدی نے ہتھیار جسم پر آ رہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن اشعث نے گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں جانناز مسلم و ہمینی کی تہادت کے بعد پسریا د کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۰۶)

اس طرح مسلم سے مختلف اطراف و جانب کی مدد قطع ہو گئی۔ دوسری

جانب اشرف قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دار الامارہ پر جا کر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکار کر حکومت شام کی جانب سے تحریف و تہدید کرین اور مسلم کی شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کرین چنانچہ ان لوگوں نے ہمدردانہ لہجہ میں قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنیوالی ہیں جس کے بعد تمہارا جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائیگا۔

دشقی سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو اضطراب پیدا نہ کرے، اس خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہو گئی۔ حالت یہ تھی کہ

ان المرأة كانت تأتي ابنها واخاها فتقول انصرف
الناس يكفونك ويحيي الرجل الى ابنك واخيه فيقول
عذايأيتك اهل الشام فما تصنع بالحرب والشر انصرف
فيذهب به۔

”عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چل واپس چل دوسرے لوگ کافی ہیں اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے بھائی کے پاس آکر کہتا تھا کہ کل دمشق سے لشکر آجائے گا پھر تو کیا کریگا۔ چل رڑائی سے کنارہ کشی کر اور مجبور کر کے اُسے اپنے ساتھ واپس لیجاتا تھا۔

(طبری ص ۲۰۸)

نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے اور آخر ایک خون ریز صفت آرائی کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خون و دہشت کی کامل علمداری اور عرب ہیبت کا بلند اور دورہ تھا لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لئے چاروں طرف ساٹا اور ہوکا عالم تھا اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا ہے کہ وہی ہانی بن عودہ جن کے ہمراہ رکاب ۱۲ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کی غلط خبر سننے پر دارالامارہ کھنچی ہوئی تلواروں کے حلقہ میں آگیا تھا آج مشکین کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں اور وہ پکار رہے ہیں کہ و امذحجاء و لامذحج لی الیوم و امذحجاء و این منی مذحج "کہاں ہیں میرے قبیلہ والے بہادر نبی مذحج، ہائے افسوس کچ میرے یہ مذحج نظر نہیں آتے" لیکن کوئی ایک متنفس بھی انکی طرف رخ کرتے دکھلائی نہیں دیتا یہاں تک کہ ابن زیاد کا غلام ترک کی اپنی تلوار سے انکے سروتن میں جدائی کر دیتا ہو۔

یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور واقعیت کو اعتبار قرار دینے کا تخیل بیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیان اہلبیت اور حسین بن علیؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ

نہ تھے اس وقت عجب عالم میں تھے، انکو چھپنے کے لئے گوشوں کی تلاش
 تھی جنکا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عنقریب حسینؑ
 بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اگرچہ ہتھین پست ہو چکی ہیں لیکن
 ان کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہذا اس نے تلاش
 کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انھیں قید کرنا شروع
 کیا چنانچہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی جو مسلم کے خراج کے موقع پر کوفہ میں موجود
 نہ تھے اور اسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلم کی
 جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمر بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو
 شخص اس کے نیچے چلا آئے اس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان
 نہ مل سکی اور وہ پابزنجیر کر دیئے گئے اور اسی طرح عبداللہ بن حارث بن
 نوفل اور دیگر اشخاص۔

ادھر حاکم اعلیٰ یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم
 ہونے کے بعد ابن زیاد کو حسین بن علیؑ کے قصد عراق پر مخصوص طور سے
 توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد توجہ نحو العراق
 فضع المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التهمة
 "مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسین بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں

اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور شکر بناؤ اور وہم و گمان
بھی خطرہ کا ہو تو اس سے تحفظ کرو اور بدگمانی جس پر ہو اسے فوراً گرفتار کر لو
(طبری ص ۲۱۵)

اب کیا تھا، قید و بند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور حبلیجی نے قیدیوں سے
چھلکنے لگے۔ اس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اس تقریر میں
جو نیرید کی ہلاکت کے موقع پر اس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہے۔
وما ترکتم لکم ذائنة اخاف علیکم الا وھونی بسجنکم کوئی
ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کر گیا مگر یہ کہ
وہ قید خانہ کے اندر ہے۔ (طبری جلد ۷ ص ۱۷۱)

نیرا اس گفتگو سے جو اس موقع پر جبکہ وہ بعد ہلاکت نیرید بصرہ سے فرار
ہو کر دمشق جا رہا تھا راستہ میں یساف بن شریح یشری سے کی ہے حسین
اس نے کہا کنت اقول لیتنی کنت اخرجت اھل السجن فضریت اعنائم
میں ابھی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے ان لوگوں کو جو قید خانہ
میں بند تھے نکال کر گردن زدنی کا حکم دیدیا ہوتا۔ (اسلئے کہ وہی لوگ بعد
میں انقلابات کا سبب ہوئے) (طبری جلد ۷ ص ۱۷۱)

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو
حاصل کر لیا گیا جس کے بعد کسی تنفس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت

کا نام بھی زبان پر لائے۔ اب اُس کی توجہ خارج کی طرف ہوئی کہ کہیں بصرہ و مدائن اور دیگر اطراف کے لوگ کہ جہاں مشیہ کافی تعداد میں ہیں اگر کوئی دراندازی نہ کریں، نیز حسین بن علیؑ کہ جنکا آنا قریبی زمانہ میں یقینی ہے اُنکے ساتھ کسی ساز باز کے لئے کوئی جماعت باہر نہ جانے پائے۔

اس کے لئے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز و عراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کو تو اں شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور واقعہ سے لیکر قطیف طانہ، لعل، اور تخنان اور اطراف و جوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے اُن سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جاسکتا تھا چنانچہ قیس بن مسرید اوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لیجا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہونچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سید الشہداء جب ان حدود میں پہونچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا لا واللہ ما ندی غیرانا لا نستطیع ان نلج ولا نخرج خدا کی قسم ہمیں اور کچھ نہیں معلوم لیکن اتنا ہے کہ ہم نہ اندر جاسکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔

حربن زید ریاحی جو ایک ہزار کے لشکر سے امام حسینؑ کا سد راہ ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں مقرر تھے

یہ سب اسی لئے تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کے لئے کوفہ سے نہ آ سکے یہاں تک کہ طراح بن عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستہ سے آکر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں اسوقت حرنے آکر حضرت سے کہا کہ "یہ لوگ جو اہل کوفہ میں سے ہیں آپ کے ساتھ مکہ سے نہیں آئے ہیں لہذا میں انکو گرفتار کرنا ہوں یا کوفہ واپس جانے پر مجبور" لیکن حضرت کے اس فرمانے پر کہ "اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو میرے ہی اصحاب و انصار میں داخل ہیں اور اب انکی حفاظت مجھ پر فرض ہے، لہذا ناممکن ہے کہ میں ان کو تمھارے سپرد کر دوں" اسکو ساکت ہونا پڑا (طبری جلد ۶ ص ۲۳)

اس موقع پر کہ جب امام حسینؑ کو بلا میں پہنچ چکے تھے خود ابن زیاد نے کوفہ سے نکل کر نخیلیہ میں اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہی افواج کا معائنہ ہوتا تھا اور انھیں ہر تیب دیکر کر بلا روانہ کیا جاتا تھا۔

(تقدیق کے لئے دیکھو طبری جلد ۶ ص ۲۴)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں سے بعض امام حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے لشکر سے ہٹ کر کوفہ واپس جاتے تھے جس کے لئے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن منقریؓ کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو ایسا شخص وہاں ملے اس کو گرفتار کر کے روانہ

کیا جائے، سوید نے ایک شخص کو اہل شام میں سے جو کوفہ کسی اپنے ذاتی معاملہ کے لئے آیا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجا اور اس نے ہیبت قائم کرنے کے لئے اُس کو قتل کر دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو ٹھہر گئے تھے نکل کر بلاروانہ ہو گئے۔ (الانبار الطول ص ۲۵۲)

ان اہتمامات سے صریحی طور پر چند نتیجہ مرتب ہوتے ہیں۔
 (۱) کوفہ کی جماعت شیعوہ میں حسینؑ کی بہادر دہو سکتی تھی۔ اور حکونصرت کا خیال ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد بازخیر کر لی گئی تھی اور اس طرح نہ معلوم کتنے باہمت اور پر جگر اشخاص ہونگے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسینؑ پر سے نثار کرتے لیکن اس موقع پر وہ تاریک و تاریک زمان میں مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکر بندی اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے رہے سے اشخاص کے لئے جن میں جذبہ نصرت حسینؑ ہو سکتا تھا حضرت تک پہنچنے کو دشوار سے دشوار بنا دیا تھا اور اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً سخیدہ میں کہ جو بالکل کوفہ کے نکر پر کر بلا کے رستہ میں تھا گرفتار کر لئے جاتے یا آگے بڑھ کر قادیسیہ و ختلان و قطقطانہ و لعلع وغیرہ کی منزل پر وہ دستگیر ہو جاتے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزمائہ شخص کوفہ میں ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسینؑ کی جنگ کے لئے نہ نکلے اور اس طرح ان افراد

کے لئے جو حسینؑ کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی لے لی
جان و مال کی ضامن بن گئی تھی۔

لیکن باوجود ان دشواریوں کے ان بہت شکن مشکلات کے ان طاقت
ربا مصائب کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ افراد شیوہ جو حسینی دعوت کے بانی مبلغ
اور اس تحریک کے داعی و مروج تھے جنہوں نے وفاداری کا اقرار اور
جاننازی کا عہد کیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ میں علیؑ تک پہنچ گئے
اور اپنی جانیں ان کے قدموں پر نثار کر دیں۔

یاد کرو وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنا یا
تھا تو کون لوگ تھے اس وقت تقریر کر کے عہد نصرت و فداکاری کرنے والے
بشک وہ تین آدمی تھے عابس بن ابی شیبہ شاکری حبیب بن مظاهر
سعید بن عبد اللہ خضفی۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل و نائب اور سازداری کے ساتھ حسینؑ
کی بیعت لینے والا؟ یقیناً وہ مسلم بن عوسجہ اسدی تھے۔

کون تھا مسلم کے ادارہ اسلحہ کا تنظیم اور جمع اموال کا مہتمم و معتبر؟
بلاشبہ وہ صرف ابو شامہ صیداوی تھے۔

پھر کیا وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے ثبات قدم و استقلال کے ساتھ
آخر نفس تک حسینؑ کا ساتھ دیا چھوڑا اور آخر انکی لاشیں حسینؑ کے قدموں

خاک و خون میں ترپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت میں زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے
بریر بن خضیر حافظ قرآن مجید جنکو دیکھ کر لشکر عمر سعد میں کہا گیا تھا ان ہذا
بریر بن خضیر القاری الذی کان یقرأنا القرآن فی المسجد
”یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم
دیا کرتے تھے۔“ (طبری جلد ۶ ص ۲۴۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابی رسول جنکا تذکرہ ابن اثیر جزری
نے اسد الغابہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں کیا ہے، ابن
اثیر کا قول ہے کہ۔

عداده فی الکوفین وکان جاء الی الحسین ع عند نزوله
فی کربلاء ولتقی، مع لیلایمین ادرکت السعادة۔

”انکا شمار اہل کوفہ میں ہوا اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تھے
اُس وقت جب آپؐ کربلا میں اتر چکے تھے اور شب کے وقت حضرت کے پاس
پہنچے اُن لوگوں کے ذیل میں جنکے بخت نے باوری کی تھی۔“

اور نافع بن ہلال جلی جو کوفہ کربیلہؑ مذحج سے تھے اور خنظلہ بن سعد
شبامی اور زید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثار کنسی اور مجمع بن عبد اللہ
عاندی اور عائد بن مجمع اور عمر بن خالد صیداوی اور خبارہ بن حارث

سلمانی اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور موقع بن ثامہ اسدی
 صیداوی اور سیف بن حارث بن سربیع ہمدانی اور مالک بن عبد اللہ
 بن سربیع اور سوار بن شعم ہمدانی اور عمر بن قریظ انصاری اور نعیم بن
 عجلان انصاری اور عبد اللہ بن بشر خثعمی اور حارث بن امرأ القیس
 کنذی اور بشر بن عمر کنذی اور عبد اللہ بن عروہ و عبد الرحمن بن عروہ
 غفاریہ اور عبد اللہ بن عمیر کلبی اور سالم بن عمرو کلبی اور سلم بن کثیر
 ازدی اور رافع بن عبد اللہ ازدی اور قاسم بن حبیب ازدی
 اور زہیر بن مسلم ازدی اور نعمان بن عمرو وحلاس بن عمرو زہرین
 اور مسعود بن حجاج تمیمی اور بکر بن حی تمیمی اور جوین بن مالک تمیمی اور
 عمر بن ضبیعہ تمیمی اور حباب بن عامر تمیمی اور امیر بن سعد طائی اور ضرغام
 بن مالک تغلبی اور کنانہ بن غنیمت انلبی اور قاسط بن زہیر و کردوس بن
 زہیر و مقسط بن زہیر تغلبین اور جبلة بن علی شیبانی وغیرہ
 یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہد وفا کو پورا کرنے
 کے لئے اپنے سین کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیا لیکن جو لوگ شیعی
 جماعت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کے لئے نہ ہوئے نہ ہوئے یا نہ ہوئے نہ ہوئے
 ان میں سے بھی کسی متنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کر بلا میں موجود ہونا پائین
 جاتا بلکہ تاریخی نصوص و شواہد متفقہ طور پر ان کو قاتلان امام حسینؑ سے علیحدہ

بتلا رہے ہیں۔ امام محمد بن جریر طبری کا بیان ہے۔

لما قتل الحسين بن علي ورجع ابن زياد من معسكره بالخیلة
فدخل الكوفة تلاقى الشيعة بالتلاوم والتندم ورأت
انما قد اخطأ تخطأ كبيراً بدعائهم الحسين الى النصرة
وتركهم اجابته وقتله الى جانبهم لم ينصروه ورساؤه
لا يغسل عارهم ولا تلم عنهم في مقتله الا يقتل من قله
او يقتل فيه۔

"جب حسین بن علی قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو
خیمہ میں قرار دیا گیا تھا وہاں جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو شیعوں نے
ایک دوسرے سے ملاقات کر کے ایک دوسرے پر ملامت اور اپنی کمزوری
پر مذمت کا اظہار شروع کیا اور وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسین
کو نصرت کے وعدہ پر دعوت دی پھر جب وہ آئے تو ہم انکی نصرت کو نہ گئے
اور وہ ہمارے بڑے دوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ انکی مدد نہ کی اور
انھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا۔ مگر اس طرح
کہ ہم ان لوگوں کو جو ان کے قتل میں شریک ہوئے ہیں قتل کریں یا خود اس
سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔

طبری جلد ۷، ص ۷۷۱

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت قاتلانِ امام حسینؑ کی جماعت سے جدا گانہ تھی اور پہلی جماعت پر جو الزام ہے وہ یہ کہ انھوں نے مدد نہیں کی اور دوسری جماعت وہ ہے جس کے قتل کو وہ اپنے جرم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

پھر سلیمان بن مردخزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا اور اس موقع پر مسیب بن نجبه نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "ہم بہت اپنی صداقت پر ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعت شیعہ کی مدح و ثنا کیا کرتے تھے لیکن چنانچہ ہمارا امتحان لیا اُس وقت معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہیں۔ ہم نے حسینؑ کو دعوت دی، اُنکے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کریں گے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے اپنی جانوں کو چھپایا یہاں تک کہ وہ ہمارے پڑوس میں قتل ہو گئے، نہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُنکی نصرت کی اور نہ اپنی زبان سے اُنکی حمایت کی اور نہ اموال سے اُنکو تقویت پہنچائی اور نہ اپنے قبیلہ کو اُنکی نصرت پر آمادہ کیا، اب خدا اور رسول کو کیا جواب دیں گے جبکہ ہمارے ملک میں فرزند رسول قتل کر ڈالا گیا۔ بیشک ہمارا کوئی عذر سننے کے قابل نہیں لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن لوگوں نے اُن کے قتل میں شرکت کی ہے اُنھیں قتل کریں یا اسی سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔ ص ۴۸

یہ بھی صریحی طور پر اس کی دلیل ہے کہ قاتلان حسین یا قتل حسین
 میں شرکت کرنیوالی جماعت جماعت مشیہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔
 اس کے بعد جبکہ سلیمان بن صر اس جماعت کے قائد اعظم کی
 حیثیت سے منتخب ہو گئے تو انھوں نے جو تقریر کی ہے اور جس کو وہ
 برابر ہر عجمیہ میں دہرایا کرتے تھے اس کا مختصر اقتباس یہ ہے کہ

انالکنا من اعدائنا الی قدوم ال بنینا و نمذیرہم النصر و فخرہم
 علی لقدم فلما قدموا و بنینا و عجزنا و ادهنا و تربصنا و انتظرتنا
 ما یكون حتی قل فینا ولدینا و لذیننا و سلالتنا و عصارۃ و
 بضعۃ من لحمہ و دمہ اذ یتصرخ و یتال النصف فلا
 یعطاه اتخذہ الفاسقون غرضا للنبیل و دریۃ للرماح
 حتی اقصدوہ۔

ہم لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہلبیت رسول کی
 تشریف آوری کے منتظر تھے اور انکو نصرت کی امیدیں دلاتے تھے اور
 آنے پر آمادہ کرتے تھے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے کمزوری کی اور عاجز
 رہے اور سستی کو کام میں لائے اور منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے یہاں تک
 کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب ہی فرزند رسول قتل کر ڈالے گئے
 جبکہ وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا فاقین

کی جماعت نے اُن کو اپنے تیرون کا نشانہ اور نیرون کا مشرق بنالیا یہاں تک
کہ انھیں شہید کر ڈالا (صفحہ ۱۶۹)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہ گئے تھے اور
قتل حسینؑ میں شرکت کرنیوالی جماعت فاسقین الہ سے جدا گانہ ہے۔

بھروسہ موقع کہ جب یزید ہلاک ہوا اور سلیمان بن مرد کے پاس شیعہ
جماعت کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اس وقت حکومت کے ارکان میں زل
ہے یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اُن کے قاتلون کو
جین جن کر قتل کریں اس وقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے۔

انی قد نظرت فیما تذکرون فرایت ان قتلہ الحسین ہم اشرف
اہل الکوفۃ و فرسان العرب و ہم المطالبون بدم مروتی علما و اما تریدون
و علما انھم المطلبون کا نوا شد علیکم و نظرت فین تبغی معکم فعلت انھم
لو خرجوا لم یدرکوا انارھم ولم لیشفوا انفسھم ولم ینکوا فی عدوھم و کانوا
لھم جزا و لکن ینثوا دعا قتلکم فی المصر الخ

"میں نے اس معاملہ میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسینؑ کوفہ کے سرکردہ
اشخاص و شیوخ و اشرف قبائل ہیں اور اُنہی کے اوپر حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری
عائد ہوتی ہے اور جب انھیں تم لوگوں کا ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اس کا
اثر اُپر پڑے گا تو وہ سختی سے تمھاری مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور میں نے اندازہ

کیا اُن لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ اُنکے خرچ کرنے سے نہ تو انتقام لیا جاسکتا ہے اور نہ مقصد حاصل اور نہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ یہ لوگ گوسفند دن کی طرح کاٹ کر ڈال دیے جائیں گے لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف و اکناف میں روانہ کر کے لوگوں کو اپنی موافقت پر آمادہ کرو۔ (طبری جلد ۵ ص ۵۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسینؑ کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف قبائل تھے جنکی مذہبی عظمت مختصر طور پر ہم نے سابق میں واضح کر دی اور یہ کہ جماعت شیعہ کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا، نیز اس شیعہ جماعت کی جو کوفہ میں موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتی تھی۔ پھر وہ تقریر جو عبید اللہ بن عبد اللہ مری کی زبان سے تاریخ میں درج ہے کہ میں بھی ہے کہ قتل عدوۃ وخذلہ ولبس قول للقاتل و ملائمۃ للخاذل ان اللہ لم یجعل لقاتلہ حجة ولا لخاذلہ معذرة الا ان یناصحہ اللہ فی التوبة فیجاہد القاتلین وینا بذا القاسطین۔

”فرزند رسول کے لئے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دوستوں نے اُنکی مدد نہ کی، پس عذاب کے مستحق ہیں اُنکے قاتل اور سرزنش کے لائق ہیں اُنکے جھوٹ دینے والے نہ اُنکے قاتل کے لئے خدا کے بیان کوئی حجت ہے اور نہ اُنکے بے مددگار چھوڑنے والوں کا کوئی عذر قابل سماعت ہے۔ مگر یہ کہ وہ

اب سچے دل سے توبہ کر کے اُنکے قاتلون سے جہاد کریں اور ظالمون سے جنگ کریں (صفحہ ۱۵)
 وہ وقت کہ جب یہ لوگ بغرم جہاد کو فہ سے کر بلائے معلی آئے ہیں اُس موقع
 پر شعی بن محزیہ نے جو تقریر کی تھی اُس میں یہ فقرات قابل توجہ ہیں۔

قد قتلہم قوم فحن لہم اعداء ومنہم برآء وقد خر جنا من
 الدیار والاہلین والاموال ارادۃ استیصال من قتلہم

حسینؑ والنصارینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا جنکے ہم دشمن اور
 خبیثے ہم بیزار ہیں اور اب ہم اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر اپنے گھر سے اس لئے
 نکلے ہیں کہ اُنکے قاتلون کے رگ و ریشہ کو فنا کر دیں (صفحہ ۱۶)

ان تاریخی نصوص و شواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے
 کہ جماعت شیعہ میں سے کوئی شخص بھی قتل امام حسینؑ کے لئے کر بلا میں موجود نہ تھا
 بیشک ان پر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود معترف تھے
 وہ نصرت حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانیں نثار کر دینے میں کوتاہی
 کرنا اگرچہ یہ جن اسباب و علل اور مشکلات و موانع پر مبنی تھا اُنکو کافی توضیح کے
 ساتھ حوالہ قلم کیا جا چکا ہو پھر بھی ہم اس کو جرم تسلیم کرنے پر تیار ہیں لیکن اس جرم
 سے سنگین تر نہیں کہ رسول کو میدان جنگ میں دشمنوں کے زرعہ میں تنہا چھوڑ کر اپنی
 جان کی حفاظت کے لئے فرار کریں اور حضرت عثمانؓ کو خود دار اخلافت اور مرکز حکومت
 مدینہ منورہ کے اندر مصر سے آئی ہوئی فوجوں کے حلقہ میں قصر کے اندر محصور چھوڑ کر

تماشا دیکھتے رہیں اور انکے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تک انکی لاش
دفن کرنے کی بھی جرات نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسول اکرمؐ کے ساتھ صحابہ کرام میں سے جنگ احد میں دش
آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگ خنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ ٹھہرے
تھے اور یوم الدار حضرت عثمان کی مدد کے لئے انکی ماننے والی جماعت میں سے
بیں آدمی بھی جان نثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسول حسینؑ
بن علیؑ کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر کم از کم چون
آدمی جانین قربان کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اسکے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہو کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی نصرت
میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر ان پر قتل حسینؑ کا غلط اور
بے بنیاد الزام لگایا جائے۔ والسلام

علی نقی النقی عفی عنہ

محرم ۱۳۵۱ھ

لکھنؤ

SR JUNG ESTATE LIBRARY

(Oriental Section)

URDU PRINTED BOOKS

استدعا

اگر آپ حضرات اس تبلیغی سلسلہ کو مفید اور ضروری خیال فرماتے
ہوں تو مولانا کا نام لیکر اس دینی خدمت پر کمر بستہ ہو جائیے۔ جن حضرات کو
پروردگار عالم نے توفیق دی ہے وہ ان رسائل کی سوسا اور چاس جلدیں
غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم کریں اور جو مومنین اس سے مجبور ہوں وہ
کم از کم ایک ہی جلد خرید فرما کر کسی دوسرے غیر مذہب والے کو دیدیں۔ اگر
اس فریضہ کا احساس ہر ہر فرد قوم میں ہو جاوے تو انشاء اللہ ایک ہی
سال میں آپ ملاحظہ فرمائینگے کہ کس قدر تبلیغی خدمات انجام پا جاتی ہیں اور
یہ سلسلہ کس طرح مستحکم تر ہو جاتا ہے۔

پروردگار عالم ہر مومن کو اس دینی خدمت کی طرف بحق محمد و آل محمد توجہ
کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آزیری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ



امامیہ شکر لکھنؤ کی دوسری نئی خدمت

”تحریف قرآن کی حقیقت“

یہ رسالہ بھی جناب سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ کی تصنیف سے ہے جنکا قلم فیصلہ کن بحث کا ضامن ہے۔

اس رسالہ میں تمام کتب سلوویہ کی مقابلہ میں قرآن کریم کا اعتبار ایمان بالقرآن کی حقیقت اور اسی سلسلہ میں فریقین کے نقطہ نظر کا موازنہ اور اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ کون فریق قرآن پر ایمان کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

قیمت فی رسالہ پانچ آنے اور خرچہ ڈاک ایک آنہ ہے جو حضرات صرف ایک رسالہ طلب فرما دیں وہ چھ آنے کے ٹکٹ مرحمت فرما دیں

ملنے

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ شکر

حسین آباد لکھنؤ